ماہنامہ

محدث

بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۵۹

جلد: ۳۱ ، شمارہ: ۱۱

محرم الحرام ۱۴۳۵ھ = نومبر ۲۰۱۳ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱- درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲- درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳- افتتاحیہ	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۴- الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر	محمد اسلم مبارک پوری	۷
۵- عقیدۂ صحیحہ کے اثبات اور......	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۱۲
۶- نماز کی عظمت	شیخ مسند بن محسن القحطانی	۲۱
۷- اوراد ووظائف بہترین توشۂ آخرت	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم	۲۹
۸- فارقلیط شناسی کی ایک اہم کوشش	اطہر افضال	۳۳
۹- اسلامی احکام میں سہولت......	ضمیر احمد خان شفیق احمد خان	۳۷
۱۰- اسلام دعوت کے فروغ میں......	عبدالواحد محمد لقمان سلفی	۴۱
۱۱- جامعہ سلفیہ کے فارغین سے اپیل	ادارہ	۴۵
۱۲- جامعہ سلفیہ میں ذمہ دار اساتذۂ کرام کا اجتماع		۴۶
۱۳- اخبار جامعہ		۴۷
۱۴- باب الفتاوی	مولانا محمد اسلم مبارک پوری	۴۸

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(تقلید شخصی)

(۱۷) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

تقلید شخصی میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کسی ایک عالم کو امام مان کر اس کے ہر فیصلہ کو بلا چوں و چرا تسلیم کرلیا جاتا ہے جبکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ نبی کے علاوہ کوئی شخصیت بھی ایسی نہیں ہے جس سے غلطی کا امکان نہ ہو۔ فقہ کی کتابوں میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے اسی کو ماننا ہے اور مقلد کو دلیل جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقہ کی کتابوں میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جو صحیح احادیث کی رو سے صحیح نہیں ہیں بلکہ ضعیف روایات کے سہارے اس پر عمل کیا جاتا ہے اور جب کوئی صحیح حدیث کے مقابلہ سوال اٹھاتا ہے تو یہ کہہ کر بحث سے روک دیا جاتا ہے کہ ہم مقلد ہیں، ہمیں امام کی پیروی کرنی ہے۔ صحابہ کرام اور خیر القرون کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ خود امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی حدیث رسول معلوم ہونے پر اپنے فیصلہ سے رجوع کیا ہے۔

جس خیر القرون کی پیشین گوئی نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے کہ "خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" یعنی سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر اس کے بعد کے لوگوں کا پھر اس کے بعد کے لوگوں کا۔ جس کو ہم صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے نام سے جانتے ہیں۔ اس دور میں تقلیدی مسلک رائج نہیں ہوا تھا۔ چاروں ائمہ عظام چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے ہیں مگر ان ائمہ کے زمانہ میں بھی تقلید کا رواج نہیں ہوا۔ اگر تقلید کی بات آئی تو ائمہ نے اس سے روکا، چاروں ائمہ نے قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی اور تقلید سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے جو کتابوں میں منقول ہے۔

اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ جو دین محمد ﷺ امت کے لیے چھوڑ گئے اور جن پر صحابہ کرام اور ان کے بعد خیر القرون اور ائمہ کرام کے زمانہ تک عمل ہوتا رہا، وہی اصل اسلام ہے۔ اور جو منہج اور طریقہ مسائل کے جاننے کے لیے ائمہ کرام نے اپنایا وہی منہج سلف ہے، جس کے ماننے والے کو سلفی کہتے ہیں اور مسلکی فرقوں میں امتیاز کے لیے اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ ائمہ کرام کے زمانہ میں بھی اصحاب الرائے کے مقابلہ اہل حدیث کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ جو اس دور کی کتابوں میں موجود ہے۔

مقلدین اپنے تقلیدی مسلک کے جواز کے لیے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کررہے ہیں کہ امت چار ائمہ کی تقلید پر اجماع کر چکی ہے، اس لیے کسی نہ کسی امام کی تقلید کے بغیر نجات نہیں۔ یہ بات سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔

جس مروجہ تقلیدی مذہب کا وجود چوتھی صدی ہجری سے پہلے تھا ہی نہیں اور جس کا رواج حکومت و ریاست کے دباؤ میں ہوا، وہ حق و باطل کا معیار کیونکر ہوسکتا ہے؟

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

افتتاحیہ

چند سنگین مسائل اور ہماری ذمہ داریاں

نیا ہجری سال ۱۴۳۵ھ اپنے آمد کی دستک دے رہا ہے، سال رواں کے باقی ماندہ ایام خیر وعافیت کے ساتھ گذر جائیں اور نیا سال کا سورج پورے آب وتاب کے ساتھ طلوع ہو، ملک وملت اور عالم اسلام کے لیے امن وسلامتی وسعادت وفتح مندی کا یہ سال ثابت ہو ہم رب کریم سے اس کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس موقع پر وطن عزیز اور ملت اسلامیہ کے تازہ حالات کے تناظر میں ہم اپنی مخلصانہ گزارشات ملک وملت کے ذی وقار وبابصیرت قائدین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کررہے ہیں اس امید کے ساتھ کہ ان معروضات پر وہ غور فرمائیں گے اور اس سے ملک وملت کا مستقبل سنوارنے کے لیے استفادہ کیا جائے گا۔

پچھلے چند مہینوں سے یہ بات محسوس کی گئی کہ ملک کے بعض علاقوں میں مسلمانوں کے آپسی تعلقات مسلکی بنیاد پر کشیدہ ہوگئے، اس کشیدگی نے زبانی وتحریری شدت بھی اختیار کرلی، عوام کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت ہی محترم علماء حضرات کی بھی اس میں شرکت وشمولیت کی خبریں آنے لگیں، اور دعوت دین کے نام پر مسلمانوں کی اصلاح کے بجائے انتشار وافتراق کا سامان انہیں فراہم کیا جانے لگا۔

یہ صورت حال کتنی افسوس ناک ہے، مسلک وملت کے حق میں یہ بات قطعا مفید نہیں، ایک طرف تو اس سے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے تو دوسری طرف دعوت دین کا قافلہ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف لوٹنے لگتا ہے، اور ساری صلاحیتیں اختلافات کی نذر ہوجاتی ہیں۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم مسلک کے بجائے اللہ کے نازل کردہ دین کی نشر واشاعت کرنے میں اپنی توانائی صرف کرتے اور مسلک کے نام پر جن کے راستے جدا ہیں ان سب کی صلاحیتوں سے بھی دعوت الی اللہ کے میدان میں ہم فائدہ اٹھاتے۔

اگر کوئی دعوت وتبلیغ کے نام پر دانستہ یا غیر دانستہ غیر مناسب طرز عمل اختیار بھی کرتا ہو تو اسے اہمیت نہ دے کر صبر وضبط کے ساتھ نظر انداز کردیا جائے تو یہ چنگاری شعلہ بننے کے بجائے راکھ میں تبدیل ہوجائے۔ اس لیے کہ بسا اوقات مخالفتیں مخالف کو مدد پہونچاتی ہیں اور اس کو اس کے مقصد سے قریب کردیتی ہیں۔

عوامی سطح پر مسلکی چھیڑ چھاڑ یا ایسے افراد جو علم وعمل کے زیور سے تو آراستہ نہیں البتہ مسلکی حمیت ان کے اندر جنون کی حد تک ہے ایسے لوگوں کا اس میدان میں عمل دخل رکھنا قطعا مناسب نہیں۔ علماء کرام ان افراد کے تئیں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ان کی صالح رہنمائی فرمائیں اور دین وملت کے حق میں جو بات زیادہ مناسب ہو اسی کی ان کو تلقین کریں۔

علماء کرام کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، یہ علوم نبوت کے وارث ہونے کی وجہ سے انبیاء کے وارث ہیں، مسلم معاشرہ

میں ان کو ان کا مقام ومرتبہ دیا جائے، ان کی عزت وقدر کی جائے اور ان کی صالح قیادت کو تسلیم کیا جائے۔

اہل قلم حضرات بھی اس حقیقت کو فراموش نہ کر جائیں کہ یہ قلم ان کی انگلیوں کے درمیان امانت ہے، اس کی روشنائی سے وہ دلوں میں محبت کی قندیل روشن کرنے کی سعی کریں نہ کہ اس کی سیاہی سے دلوں کو سیاہ کردیں۔

اگر ملت اسلامیہ تعصب اور شدت پسندی کے بجائے تفاہم کا راستہ اختیار کرے اور بحیثیت ایک امت کے افراد ہونے کے ایک دوسرے کے لیے دلوں میں محبت واحترام کا جذبہ رکھے اور غلطیاں تلاش کرنے کے بجائے عذر کو تلاش کرکے باتوں کو مثبت معنی پہنایا جائے تو یقیناً دلوں کے فاصلے مٹ جائیں گے اور تلخیاں مٹھاس میں بدل جائیں گی۔

ملت کے تعلق سے ایک دوسری بات یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کے ملی مسائل میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ الحمدللہ ملک گیر سطح پر مسلمانوں کا دو متحدہ پلیٹ فارم موجود ہے جن کی تابناک تاریخ ہے اور حسن اتفاق سے اس کی قیادت بھی عالم اسلام کی معتبر وباوقار شخصیتوں کے ہاتھوں میں ہے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر ان دونوں اداروں کے دائرۂ عمل کو وسیع کردیا جاتا اور اسے اور زیادہ اعتبار ومضبوطی فراہم کرنے کے لیے تمام مکاتب فکر کو اسی طرح معقول نمائندگی دی جاتی جس طرح ان کے قیام کے وقت میں دی گئی تھی تو اس سے ان دونوں ادارے کی کارکردگی اور زیادہ مفید، فعال اور موثر ہوتی اور یہ ادارے بھی مسلمانوں کو جوڑ کر رکھنے کا کام کرتے۔

اب آیئے ہم اپنا رخ ملت سے ملک کی طرف کرتے ہیں اور آنے والے سال میں امید کی کرنوں کو تلاش کرتے ہیں۔

ملک پارلیمانی الیکشن کی تیاریوں میں مصروف ہے، اس لحاظ سے آنے والا سال سیاسی طور پر اہمیت کا حامل ہے۔ عالمی سطح پر اس ملک کا جو مقام ومرتبہ ہے اس کا راز اس ملک کا جمہوری نظام ہے۔ انیکتا میں ایکتا اس ملک کا امتیاز ہے۔ اس امتیاز کو باقی رکھنا جمہوریت کی بنیادوں کو مضبوط کرنا، بدعنوانی، دہشت گردی، فرقہ واریت، نسلی فسادات سے ملک کو پاک کرنا اور اقتصادی ومعاشی استحکام فراہم کرنا، تعلیم وتعلم، صحت وتندرستی، کاروبار کے بہتر مواقع فراہم کرنا، سیاسی پارٹیوں کا بنیادی منشور اور حکمراں جماعت کی اولین ترجیحات میں سے ہونا چاہئے۔

ملک کی عدلیہ اور بیوروکریسی صاف شفاف اور غیر جانبدار ہو، قانون کا بول بالا ہو اور قانون سب کے لیے یکساں ہو۔ عجب نہیں کہ اگر ملک ایسے حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلا جائے جو خود کو ملک کا حاکم نہیں بلکہ خادم سمجھیں اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوکر پوری ایمانداری اور امانت داری کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیں تو تاریخ اپنے آپ کو دوہرادے۔ اور ایک بار پھر ملک جنت نشان بن جائے۔

پچھلے چند سالوں سے ملک کے طول وعرض میں جو بڑی اور نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں ہیں ان میں سے ایک اخلاقیات کی گراوٹ اور فحاشی وبے حیائی کا بلا روک وٹوک پھیلاؤ ہے اور اس کے نتیجہ میں انتہائی شرمناک قسم کے واقعات آئے دن رونما ہوتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ پورا ملک بیک زبان ان واقعات کی شدت سے مذمت کرتا ہے اور خاطی

لوگوں کے لیے سخت سے سخت سزا کا مطالبہ کرتا ہے۔ پارلیمنٹ میں بھی اس کی گونج سنائی دیتی ہے اور عدالتیں بھی ضمیر کی آواز کو سنتی اور سمجھتی ہے اور فیصلے صادر کرتی ہیں، لیکن کیا انصاف کا یہ عمل اس حقیقت کو نظر انداز کئے بغیر پورا ہو جائے گا کہ حالات اور ماحول اس کے لیے کس حد تک ذمہ دار ہے، اس بلاخیز طوفان کے اسباب وعوامل کو تلاش کیا جائے اور ان کے تدارک کی ایماندارانہ کوشش ہو تو شاید ملک میں ایسے واقعات کم رونما ہوں جن سے پورا ملک شرمندہ ہوتا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا اگر حکومت کوئی ایسا بورڈ تشکیل دیتی جو اس اہم مسئلہ کے تمام ضروری پہلوؤں پر غور کر کے اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کرتا اور اس کے تجزیہ کا دائرہ تعلیم گاہیں، دفاتر، بازار، تفریحی مقامات، تفریحی پروگرامس اور آمد ورفت کے ذرائع ہوں اور حکومت اس کی تجاویز کو عملی جامہ پہنائے۔

اس بورڈ کے لیے ایسے افراد کا انتخاب ہو جو اس ملک کی معاشرتی روایات واقدار پر یقین رکھنے والے اور مغربی تہذیب وثقافت کو خاطر میں لانے والے نہ ہوں۔

جس طرح حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو امن وامان کا ماحول فراہم کرے، اسی طرح حکومت ایسا حیادار اور پاکیزہ ماحول کے بنانے کی سعی کرے جس میں برائیاں خود اپنا منہ چھپاتی پھریں، عصمتوں پر ڈاکہ ڈالنے والوں کی جرأت نہ ہو اور بہن بیٹیاں اس ملک میں بے خوف زندگی بسر کرسکیں۔

اہنسا اور عدم تشدد پر یقین رکھنے والا یہ ملک بدقسمتی سے ایک بار پھر فرقہ وارانہ تشدد کا شکار ہو گیا ہے، یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آزادی کی آدھی صدی گذرنے کے بعد بھی تشدد کے عفریت سے ہم اپنا پیچھا نہ چھڑا سکے۔

یقیناً یہ ملک امن پسند ہے، اس کے شہری امن پسند ہیں، ایک دوسرے کے شانہ بشانہ رہنے سہنے کا سلیقہ جانتے ہیں، ایک دوسرے کے دکھ درد کو محسوس کرتے ہیں، ایک دوسرے کے کام آنے کو اپنے لیے شرف سمجھتے ہیں اس ملک میں رہنے والے ہندو مسلمان انسانیت اور قوم کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو خوب سمجھتے اور نبھاتے بھی ہیں اور اسی محبت ورواداری سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

لیکن اس ملک کے دشمنوں کو ملک کی ترقی نہیں بھاتی اور وہ اس قافلے کو روکنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، ملک کے ہر شہری کو اتنا شعور رکھنا چاہیے کہ وہ ان دشمنوں کو پہچانے اور ان کا آلۂ کار نہ بن جائے، اپنے ملک کے لیے مخلص اور اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہے۔

ملک کے امن وامان کو غارت کرنے والوں کے ساتھ حکومت کسی بھی طرح کی نرمی نہیں برتے گی، اور عوام کو بھی چاہئے کہ وہ ایسے نقاب پوش مجرمین کے ہرگز جھانسے میں نہ آئیں بلکہ انہیں کیفر کردار تک پہونچانے میں مرکزی وریاستی حکومت کی مدد کریں۔

☆☆☆

الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر

محمد اسلم مبارک پوری

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کیا ہے، کیونکہ دنیا عارضی ہے، فانی ہے، ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ دنیا کی ہر چیز بھی فانی ہے اور یہاں کی ہر نعمت زوال پذیر ہے۔ اس کی ساری شان وشوکت اور حشمت وجلال بھی فانی ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وما هذه الحياة الدنيا إلا لهو ولعب وإن الدار الآخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون﴾ (العنکبوت:۶۴) دنیا کی زندگی تو محض کھیل وتماشہ ہے۔ البتہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔ سورہ یونس (آیت:۲۴)، سورہ کہف (آیت:۴۶)، سورہ زمر (آیت:۲۲)، سورہ حدید (آیت:۲۰) وغیرہ میں اللہ تعالی نے دنیا کی زندگی کو کھیل اور تماشے کے ساتھ ساتھ اس کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو کھیتی کی ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ کھیتی میں لگے ہوئے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برستی ہے، تو پانی سے کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، پودے اور درخت حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں، پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے اور ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں، ہوا کا ایک جھونکا کبھی اسے دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب جھکا دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے بلبلے یا کھیتی کی طرح ہے، جو چند روز اپنی سرسبزو شادابی، زینت اور بہار دکھا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿واضرب لهم مثل الحياة الدنيا كماء أنزلناه من السماء فاختلط به نبات الأرض فأصبح هشيما تذروه الرياح وكان الله على كل شيء مقتدرا﴾ (الکہف:۴۶) ان کے سامنے دنیاوی زندگی کی مثال (بھی) بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں۔ اس سے زمین کا سبزہ ملا جلا (نکلا) ہے، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے، جسے ہوائیں اڑھائے لیے پھرتی ہیں، اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿اعلموا أنما الحياة الدنيا لعب ولهو وزينة وتفاخر بينكم وتكاثر فى الأموال والأولاد كمثل غيث أعجب الكفار نباته، ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يكون حطاما وفي الآخرة عذاب شديد ومغفرة من الله ورضوان وما الحياة الدنيا إلا متاع الغرور﴾ (الحدید:۲۰) خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا، زینت اور آپس میں فخر وغرور اور مال اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اسے زرد رنگ میں دیکھتے ہو۔ پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیا کی

زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی نہیں۔

اس مثال سے مقصود ربانی یہ ہے کہ بنی نوع انسان اس دنیا میں انہاک اور دلچسپی نہ رکھے، اور اپنے دامن کو زخارف دنیا میں نہ الجھائے اور نہ ہی دنیاوی رونق و بہجت اور خوش رنگی سے دل لگائے بلکہ ایک مومن کا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایمان اور عمل صالح سے سرفراز ہوکر آخرت کی دائمی اور سرمدی نعمتوں اور مسرتوں سے ہم کنار ہو۔ اس نظریہ کے حامل صرف وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو خردمند اور اہل فرزانہ ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالی نے دنیا کی مثال اور اس کی بے ثباتی کے ضمن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إن في ذلك لذكرى لأولي الألباب﴾ (زمر:۲۲) اس میں عقل مندوں کے لیے بہت نصیحت ہے۔ ﴿وكذلك نفصل الآيات لقوم يتفكرون﴾ (یونس:۲۴) ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں، غور وفکر کرتے ہیں، تاکہ وہ لوگ دنیاوی زندگانی کو طلب آخرت کے لیے استعمال کریں، کیونکہ دنیاوی زندگانی تو محض لہو ولعب اور دھوکہ ہے، لہذا دنیا کے حصول میں سرگرداں صرف وہی لوگ ہوں گے جن کے قلوب ایمان اور عمل صالح سے عاری ہوں گے، اور جو لوگ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے یا ان کے دلوں میں ایمان کا ذرہ برابر حصہ ہوگا وہ لوگ دنیا کی رعنائیوں اور رنگینیوں کے اسیر نہ ہوں گے، کیونکہ مومن کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ اپنے رب کا مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے، اس کی مرضی کے خلاف نہیں کرتا بلکہ رب ذوالجلال والاکرام کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرتا ہے، اور اذعان وامتثال کا پیکر ہوتا ہے، اس کے احکام سے سرموانحراف کو شقاوت تصور کرتا ہے۔

الغرض مومن کے اقوال وافعال اسی محور پر گردش کرتے ہیں، جو اللہ اور اس کے حبیب تاجدار مدینہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ نے بیان کیا ہے۔ اور اس کی زندگی کافر کی طرح شتر بے مہار نہیں ہوتی کہ جب چاہے، جہاں چاہے اور جیسے چاہے اپنے شب وروز کو گذارے، اور فحش ومنکرات کو اپنے دامن میں سموئے، اور حسنات وخیرات سے کنارہ کش رہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے دنیا کو مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے بہشت قرار دیا ہے۔ سرخیل صحابہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اقدس-فداہ ابی وامی ﷺ نے فرمایا: "الدنيا سجن المؤمن، وجنة الكافر" (مسلم:۱-۲۹۵۶) دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: یا سلمان! الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر۔ (صحیح الترغیب والترھیب:۳۱۳۹، سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ:۳۴۳) اے سلمان! دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن لعاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "الدنيا سجن المؤمن وسنته، فإذا فارق الدنيا فارق السجن والسنة" (کتاب الزھد للامام عبداللہ بن المبارک: ۵۶۸، مسند أحمد: ۲/۱۷۲، طبع جدید: ۱۱/۴۴۲، منتخب عبد بن حمید: ۳۴۶، حاکم: ۴/۳۱۵، حلیۃ الأولیاء:

۸/۱۷۷،۱۸۵،شرح السنۃ:۴۱۰۶۔اسی حدیث کوابونعیم اصفہانی اورشیخ البانی رحمہم اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے،مشکاۃ المصابیح: ۲۴۹۔امام ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رواه أحمد والطبراني باختصار، ورجال أحم رجال الصحيح غير عبدالله بن جنادة، وهو ثقة. مجمع الزوائد:۲۸۸/۱۰-۲۸۹۔اس حدیث کوامام احمد اور طبرانی نے اختصار سے روایت کیا ہے۔احمد کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں بجز عبداللہ بن جنادہ کے اور ثقہ ہے۔ابن حبان نے الثقات(۱۵۱/۲) میں انہیں ثقہ کہا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الضعیفۃ :۲۵۳۶،ضعیف الجامع:۳۰۱۵،مشکاۃ المصابیح:۵۲۴۹،تاہم اس حدیث کی اصل صحیح مسلم:۱-۲۹۵۶ کے حوالے سے گزر چکی ہے)۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دنیا کو قیدخانہ سے تشبیہ دی ہے جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ جس طرح قیدخانہ میں قیدی کو اس کی مرضی کے مطابق ہر جگہ آمدورفت ،نشست وبرخاست کی سہولت میسر نہیں ہوتی بلکہ اس کی مرضی معدوم ہوتی ہے،اور حسب منشا ہر کام کو انجام نہیں دے سکتا۔اوراس کی مرضی ومنشا قیدخانہ کے نگراں اور محافظ کے حکموں کے تابع ہوتی ہے،اسی طرح ایک مومن دنیا میں اپنی مرضی کے مطابق نہیں رہ سکتا،اور نہ ہی زندگی گذار سکتا ہے اور نہ ہی اپنے اعمال اور دیگر امور کو من چاہے طریقے سے اور اپنی رغبت سے انجام دے سکتا ہے۔اس اعتبار سے دنیا اس کے لیے قیدخانہ ہے۔مومن تو اللہ رب العالمین کے احکام وفرامین کا پابند ہے اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع وفرماں بردار ہے،شرع کے مطابق زندگی گزارنے کو باعث سعادت سمجھتا ہے،اوراس سے بغاوت اور اعراض وانحراف کو شقاوت تصور کرتا ہے۔

مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''دنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو اس دنیا میں نیک کام انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے، اگرچہ یہ چیز اس کے نفس پر شاق گذرے،اور حرام کاری اور برائی کے ارتکاب سے روکا گیا ہے، چاہے اس کا دل برائیوں کے لیے آمادہ ہو،اس اعتبار سے مومن اس قیدی کی طرح ہے، جو امر ونہی کے شکنجے میں کسا ہوا ہو۔

دنیا کافر کے لیے جنت ہے،اس کا مفہوم یہ ہے کہ کافر دنیا میں اپنی رضا ورغبت اور خواہش سے جو چاہتا ہے،کرتا ہے، اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوتا۔اس لیے دنیا کافر کے لیے جنت ہے، جب مومن اور کافر دونوں موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں تو حقیقت حال الٹ جاتی ہے، جنت مومن کے لیے جنت ہی رہتی ہے، جس میں اسے وہ چیز میسر ہوتی ہے جس کی نفس آرزو کرتا ہے،اور جس سے آنکھیں لذت پاتی ہیں۔اور کافر جنت کے بجائے جہنم میں چلا جاتا ہے، جہاں وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا، اس کے پیرہن گندھک کے ہوں گے، اور آگ اس کے چہرے کو ڈھانکے ہوگی۔(منۃ المنعم شرح صحیح مسلم:۳۸۹/۴)

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک مومن کے لیے جنت میں جونعمتیں تیار ہیں، اس کے اعتبار سے یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، اور کافر کے لیے جو دائمی عذاب ہے اس کے اعتبار سے دنیا اس کے لیے جنت ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن شہوات وخواہشات نفس سے بچتا ہوا جس طرح مومنانہ ومتقیانہ زندگی گزارتا ہے، وہ ایسے ہے جیسے وہ قید خانہ میں ہے، اور وہ قواعد وضوابط کے شکنجے میں کسا ہوا ہے جبکہ کافر ہر قید اور ہر ضابطے سے آزاد اور خواہشات وشہوات کی لذتوں میں منہمک رہتا ہے، گویا دنیا اس کے لیے جنت ہے، مقصد اس حدیث سے مومن کو آخرت کی تیاری کی ترغیب اور دنیاوی لذتوں سے اجتناب کی تاکید ہے۔ (دلیل الطالبین شرح ریاض الصالحین: ۱/۴۲۵-۴۲۶)

یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح قید خانہ میں قیدیوں کو آرام کم اور تکلیف زیادہ اٹھانی پڑتی ہے، اسی طرح مومن کو دنیا میں آرام کم اور مشقت زیادہ برداشت کرنی پڑے گی۔ اہل ایمان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لم يبق من الدنيا إلا بلاء وفتنة۔ (ابن حبان: ۶۹۰ بسند قوی) مومن کے لیے دنیا میں صرف آزمائش اور مصیبت ہی بچی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: إن البلايا أسرع إلى من يحبني من السيل إلى منتهاه۔ (موارد الظمآن: ۲۵۰۵، الصحیحۃ: ۱۵۸۶، صحیح الجامع: ۶۸۵۵، السراج المنیر) بیشک مصیبتیں اس شخص کی طرف تیزی سے آتی ہیں جو مجھ سے محبت کرتا ہے، جیسے سیلاب تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری جب مصر میں چیف جسٹس تھے، ایک دن نہایت اچھی شکل وصورت اور بہترین ہیئت میں بازار کے لیے روانہ ہوئے، ایک یہودی جو تیل بیچنے کا کاروبار کرتا تھا، اس کے کپڑے تیل میں لت پت تھے اور اس کی حالت بڑی دگرگوں تھی، حافظ عسقلانی رحمہ اللہ کی لگام پکڑ کر گویا ہوا کہ اے شیخ الاسلام (ابن حجر) آپ یقیناً جانتے ہیں کہ آپ کے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر"۔ اب آپ مجھے ذرا بتائیے کہ أي سجن أنت فيه؟ کس قید خانہ میں آپ رہتے ہیں کہ (آپ کے لباس نہایت خوب صورت اور عمدہ ہیں) وأي جنة أنا فيها؟ اور کس جنت میں میں رہتا ہوں کہ میرے لباس گندے اور میلے کچیلے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جواب دیا: اللہ تعالی نے آخرت میں میرے لیے جو کچھ تیار کر رکھا ہے اس اعتبار سے میں اس وقت قید میں ہوں۔ اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے آخرت میں جو دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اس اعتبار سے تم جنت میں ہو۔ حافظ ابن حجر کے اس پر اثر جواب پر یہودی مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ (فیض القدیر: ۲/۲۳۰)

اس تناظر میں نبی اکرم ﷺ کا یہ حکیمانہ ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

حلوة الدنيا مرة الآخرة، ومرة الدنيا حلوة الآخرة۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۱۸۱۷، صحیح الجامع الصغیر: ۳۱۵۵، السراج المنیر) دنیا کی شیرینی (دراصل) آخرت کی کڑواہٹ ہے، اور دنیا کی کڑواہٹ دراصل آخرت کی

حلاوت ہے۔

ان سطور بالا کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کے فرمان: "الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر" کی حقیقت اور معنویت آشکارا ہوگئی ہوگی۔ اگر ہم اپنے گردوپیش کے حالات پر نظر ڈالیں تو اس کی معنویت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس جہان آب وگل میں کافر (غیر مسلم) کو جو آزادی ہے، وہ آزادی ایک مسلم فرد کو حاصل نہیں ہے۔ ایک غیر مسلم جہاں چاہتا ہے، اور جس جگہ چاہتا ہے اور جس چیز سے چاہتا ہے بول وبراز کر لیتا ہے جبکہ مسلم کو لوگوں کی گزرگاہوں، سایہ دار جگہوں، سوراخوں اور حمام میں پیشاب کی ممانعت کے ساتھ، گوبر، لید، کوئلہ اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع کیا گیا ہے، نیز حالت قضاء میں گفتگو کرنے، قبلہ کی طرف رخ کرنے، سلام کرنے، ذکر واذکار کرنے اور داہنے ہاتھ سے شرم گاہ چھونے سے منع کیا گیا ہے۔ مزید برآں عبادت کے وقت مسلمان کو مکمل طہارت وپاکیزگی کے ساتھ پاک جگہ میں نماز پڑھنے کا حکم ہے اور یہ صحت عبادت کے لیے شرط ہے۔ حمام، مقبرہ، مجزرہ، مزبلہ، مراحیض، اونٹوں کے باڑے اور عام راستے میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ جب کہ غیر مسلم (جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں) جس حالت میں ہوتا ہے، اپنے دیوی دیوتاؤں کے سامنے جبین نیاز کو خم کر دیتا ہے اسے اپنی پاکی وعدم پاکی کا ذرا سا شعور نہیں ہوتا...... کیا یہ اس کے لیے اس جہان میں آزادی نہیں، جس طرح ایک مومن کے لیے دار آخرت میں آزادی ہوگی کہ جب چاہے، جہاں چاہے، چلا جائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

لما أصيب إخوانكم بأحد جعل الله أرواحهم في جوف طير خضر، ترد أنهار الجنة، تأكل من ثمارها وتأوي إلى قناديل من ذهب معلقة في ظل العرش۔ (ابوداود: ۲۵۲۰، مسند أحمد: ۱/۲۲۶، یہ روایت حسن ہے) نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تمہارے بھائی احد کے دن شہید کئے گئے تو اللہ تعالی نے ان کی روحوں کو سبز چڑیوں کے پیٹ میں رکھ دیا، جو جنت کی نہروں پر پھرتی ہیں، اس کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کے سایہ میں معلق سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ (مسلم (۱۲۱-۱۸۸۷) کی روایت میں ہے: تسرح من الجنة حيث شاء ت ۔ یہ روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں۔

دوسری روایت میں ہے: أرواح المؤمنين في طير معلق في الجنة۔ (طبرانی: ۱۹/۶۴، الصحیحۃ: ۹۹۵) مومنوں کی روحیں چڑیوں کے پیٹ میں رہتی ہیں جو جنت (کے درختوں) میں معلق رہتی ہیں۔

☆☆☆

عقیدۂ صحیحہ کے اثبات اور بدعت وانحراف کی تردید وتنقید کا سلفی طریقۂ کار

راشد حسن فضل حق مبارکپوری
استاذ جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی

یہ بات مسلم ہے کہ باطل اعتقادات کے حامل افراد واشخاص نے جب فکری بنیادوں پر اپنی انفرادی راہ بنائی تو اہل حدیث اور سلف صالحین کے لیے ناگزیر ہوگیا کہ ان کے باطل عقائد کی اساسوں سے الگ وممتاز ہوں، چنانچہ علماء سلف نے عقیدۂ صحیحہ کے اثبات اور رد انحراف وابتداع کا معقول منہج قائم کیا، یہ منہج ان کی تصنیفات وآثار سے مستفاد ہے۔ ذیل میں علی الترتیب حوالۂ قلم ہے:

(۱) اعتقادی امور سے متعلقہ ہر مسئلہ میں کتاب الٰہی اور سنت صحیحہ ثابتہ کو فیصل وحکم تسلیم کیا جائے، اور ان دونوں میں سے کسی میں بھی ردوتاویل سے کام نہ لیا جائے۔

(۲) دینی قضایا میں عموماً اور اعتقادی مسائل میں خصوصاً صحابۂ کرام سے جو کچھ منقول ووارد ہے، اس سے تمسک کیا جائے۔

(۳) وہ اعتقادی مسائل جن میں عقلیاتی ونظریاتی تفہیم وتفکیر کے لیے کوئی مجال وراستہ نہیں، ان میں غور وخوض سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۴) اہل بدعت کی مجالست، ان کی باتوں کے سماع اور ان سے بحث وتکرار، مجادلہ ومناظرہ سے دور رہا جائے۔

۵) مسلمانوں کی ایک عقیدہ پر شیرازہ بندی کی جائے اور ان کے مابین اتحاد واتفاق پیدا کیا جائے، اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر لانے کی سعی کی جائے۔(۱)

صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت کا مسلک واضح ہے کہ وہ اس باب میں کسی قسم کی بھی تاویل وتحریف، تشبیہ وتمثیل کو روا وجائز نہیں سمجھتے، اس منہج سے وابستہ دامنوں کے یہاں یہ امر متفق علیہ ہے، لیکن عقلی اتجاہ کے حاملین آیات صفات کی تاویل کرتے ہیں، اور انہیں غیر محل پر محمول ومنطبق کرتے ہیں، جو اہل سنت کے منہج کے سراسر خلاف ہے، چنانچہ شیخ معتزلہ قاضی عبد الجبار لکھتے ہیں: "وإذا ورد في القرآن آيات تقتضي بظاهرها التشبيه وجب تاويلها لأن الألفاظ معرضة للاحتمال ودليل العقل بعيد عن الاحتمال"۔ (۲)

(۱) شرح اصول اعتقاد أهل السنة والجماعة: ۱/۴۷۔ (۲) المحيط بالتكليف: ۲۰۰۔

یعنی قرآن مجید میں اگر ایسی آیات وارد ہوں، جن کا ظاہر تشبیہ کا متقاضی ہو، تو ان کی تاویل واجب ہے، کیونکہ الفاظ میں احتمال کا شبہ موجود ہوتا ہے، جبکہ عقلی دلیل احتمالات سے پاک ہوتی ہے۔ یہ معتزلی فکر کے حاملین کا صفات باری تعالی کے سلسلے میں موقف ومسلک ہے۔ لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم أعين لا يبصرون بها ولهم آذان لا يسمعون بها۔

یہ تو قرآنی آیات سے استشہاد کا مسئلہ تھا، اور سنت سے استنباط کے سلسلے میں بھی اہل سنت اور عقلی اتجاہ کے حاملین کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ اہل سنت اس سلسلے میں نبی ﷺ سے وارد احادیث کو بعینہ تسلیم کرتے ہیں، اس میں کسی قسم کی تشبیہ وتعطیل وتکییف کو غلط تصور کرتے ہیں، اس حوالے سے بعض سلفی نصوص ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ صفات کے بارے میں وارد احادیث کے ضمن میں فرماتے ہیں: "نؤمن بها ونصدق بها ولا نرد شيئا منها إذا كانت بأسانيد صحاح" (۱) یعنی ہم ان احادیث پر ایمان رکھتے ہیں، ان کی تصدیق کرتے ہیں، اور اگر صحیح سندوں سے ثابت ہوں تو ان میں ذرہ برابر رد نہیں کرتے۔

رؤیت باری تعالی کے سلسلے میں وارد احادیث کے تعلق سے مزید فرماتے ہیں:

"أحاديث صحاح نؤمن بها ونقر وكلما روي عن النبي ﷺ بأسانيد جيدة نؤمن به ونقره" (۲)

صحیح حدیثوں پر ہم ایمان لاتے ہیں، اور ان کا اقرار کرتے ہیں، اور جس قدر بھی صحیح سندوں کے ساتھ روایتیں ثابت ہیں ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں، اور تسلیم بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن عیینہؒ بھی رؤیت کی احادیث کے بارے میں بیان فرماتے ہیں: "حق نرويها على ما سمعناها ممن نثق به ونرضى به" (۳) بلاشبہ ہم ان احادیث کی روایت کرتے ہیں، کیونکہ ہم نے انہیں باوثوق لوگوں سے سنا ہے، امام محمد بن حسن سے بعض احادیث صفات باری تعالی کے تعلق سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "إن هذه الأحاديث قد روتها الثقات" (۴) یعنی ان حدیثوں کو ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے، ابوعبید احادیث صفات کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں: "هذه الأحاديث عندنا حق يرويها الثقات بعضهم عن بعض" (۵) صفات سے متعلقہ یہ احادیث ہمارے نزدیک حق وثابت ہیں، کیونکہ انہیں باوثوق راویوں نے باہم ایک دوسرے سے روایت کیا ہے۔

---

(۱) امام لالکائی نے شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ میں رقم: ۷۷۷ کے تحت ذکر کیا ہے۔
(۲) المصدر السابق، رقم: ۸۸۹۔ (۳) المصدر السابق، رقم: ۸۷۷، ورواہ عبداللہ بن أحمد فی السنۃ: ۴۰۔
(۴) المصدر السابق، رقم: ۷۴۱۔ (۵) المصدر السابق، رقم: ۹۲۸۔

یہی دراصل سلفی منہج ہے، قارئین نے ان اقتباسات میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ ان تمام ائمہ اعلام نے قبول احادیث کے لیے صحت کی شرط لگائی ہے، اگر وہ حدیث صحیح سندوں سے ثابت ہے تو قبول کی جائے گی، ورنہ اگر ضعیف یا موضوع ہو تو اسے رد کردیا جائے گا، لیکن اس کے بالمقابل اہل کلام اور عقلیاتی فکر کے ارباب اسے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، حدیثوں سے استشہاد واستنباط میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سوائے متواتر حدیثوں کے تمام احادیث کو رد کردیتے ہیں، مزید ایسی احادیث کو بھی رد کردیتے ہیں، جوان کے عقلی رجحانات سے متضاد ہوتی ہیں، ذیل میں ہم شیخ معتزلہ القاضی عبدالجبار کا ایک اقتباس نقل کررہے ہیں جس بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث کے ردوقبول میں ان کا مسلک ومشرب کیا ہے، حدیث کی قسموں پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

" ...... وأما ما لا يعلم كونه صدقا ولا كذبا فهو كأخبار الآحاد وما هذا سبيله يجوز العمل به إذا ورد بشرائطه، فأما ما قبوله فيما طريقه الاعتقادات فلا، إلا إذا كان موافقا لحجج العقول، واعتقد موجبه لا لمكانه بل للحجة العقلية فإن لم يكن موافقا لها فإن الواجب أن يرد، وأن يحكم أن النبي لم يقله وإن قاله فإنما قاله على طريق الحكاية من غيره، هذا إذا لم يحتمل التأويل الا بتعسف فأما إذا احتمله فالواجب أن يتأول ......" (۱)

یعنی جس حدیث کے صدق وکذب کا پتہ نہ ہو، وہ خبرآحاد کے مثل ہے، اوراس طرح کی حدیثوں پر عمل کرنا اس وقت درست ہوگا جبکہ وہ شرائط پر پوری اتریں، اوراعتقادی امور میں یہ حدیثیں اسی وقت قابل عمل ہوں گی جبکہ عقلیاتی براہین سے ہم آہنگ ہوں، اوران کی قبولیت نص کی وجہ سے نہیں بلکہ عقلی حجت کی وجہ سے ہے، لہذا عقل سے متصادم ہونے کی صورت میں انہیں رد کرنا امرضروری ہوگا، اوران کے بارے میں یہ حکم دیا جائے گا کہ نبی ﷺ نے ایسا نہیں کہا، اوراگر کہا بھی ہے تو بس یونہی از روئے حکایت، ایسا اس وقت کہیں جب ان کی تاویل ممکن نہ ہو، لیکن جب تاویل کا احتمال ہو تو تاویل احادیث کرنا واجب ہوگی"۔

یہ ہے معتزلہ کا مذہب حدیث کے ردوقبول میں، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت علماء نے اس منحرف اتجاہ کا سختی سے جائزہ لیا، اوران کا علانیہ ابطال کیا، کتاب وسنت سے تمسک اور عقلیاتی مسلمات پر تقدم کتاب وسنت کا پرزور نعرہ بلند کیا، جس کے اثر سے فکروعمل کی کوتاہیوں میں تبدیلی پیدا ہوئی، اورلوگ خالص کتاب وسنت کی طرف مائل ہونے لگے۔

اسی طرح دوسرا سلفی منہج یہ ہے کہ اقوال صحابہ کو بہر حال مقدم کیا جائے، تاکہ بعد میں آنے والے اہل علم سے ان کا خصوصی امتیاز نمایاں ہوسکے، ایسا اس وجہ سے کیونکہ صحابہ کرام نزول قرآن حکیم کے عینی مشاہد ہیں، اوروحی الٰہی کی معاصرت کا عظیم وبے مثیل شرف حاصل ہے، اوران کا ذہن وقلب امتداد زمانہ سے پیدا ہونے والی بدعات وکج فکریوں سے بالکل پاک

(۱) شرح اصول الخمسة: ۷۶۸-۷۶۹۔

وصاف ہے، مزید یہ کہ شرعی احکام ومسائل کے فہم وادراک میں اور عربی زبان کی گہری واقفیت وواقفیت میں ان نفوس قدسیہ کی نظیر نہیں، وہ ہر اعتبار سے عدیم المثال اور منقطع النظیر تھے۔

اسی طرح تیسرا منہج جو بیان ہوا کہ اعتقادی مسائل میں عقلانی غور وخوض سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ انسانی عقل فی نفسہ غیبیاتی امور کی معرفت وادراک میں مجبور، لاچار اور بے بس ہے، عقل کا کردار فقط فہم واتباع، اذعان واعتقاد تک محصور ہے، اسے ردوانتقاد، جرح واعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں، کیونکہ وحی الٰہی دنیا میں پائی جانے والی مختلف عقلوں کے لیے میزان ومعیار ہے۔ "تنزيل من حكيم حميد" کہ وہ ذات حکیم وحمید کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

اسی طرح سلف صالحین نے اہل بدع سے مناظراتی گفتگو اور ان کے ساتھ نشست وبرخاست سے منع کیا ہے، اور ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی ناپسند کیا ہے کہ ان کے اعتراضات وشبہات کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے، کیونکہ اس سے اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ ناقل اپنی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے ان کا ابطال اور کاٹ نہ کر سکے، جس سے سامعین یا قارئین کی فکر پر برا اثر پڑے۔ لہذا اسی میں مسلمانوں کے اعتقاد وافکار کی سلامتی ہے۔

اس سلسلے میں سلف صالحین سے بہت سارے آثار وارد ہیں، جو ان کے اس منہج کا پتہ دیتے ہیں۔ ذیل میں بعض نقل کئے جاتے ہیں:

امام بغوی سفیان ثوری سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "من سمع بدعة فلا يحكها لجلسائه لا يلقيها في قلوبهم" (۱) یعنی جس کسی کے گوش سماعت سے کوئی بدعت ٹکرائے تو اسے اپنے ہم نشینوں کو نہ بتائے، ان کے دلوں میں اس بدعت کو جاگزیں نہ کرے۔ ابن بطہ ایوب سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ولست ترد عليهم بشيء أشد من السكوت" (۲) یعنی اہل باطل کے سامنے مہر سکوت ہی ان پر شدید ترین نقد ہے، عبداللہ بن السری سے منقول ہے: "ليس السنة عندنا أن يرد على أهل الأهواء ولكن السنة عندنا أن لا نكلم أحدا منهم" (۳) یعنی سنت ہمارے نزدیک یہ نہیں ہے کہ اہل بدع واہواء کی تردید کی جائے، بلکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ ان سے قطع تعلق ہی کر لیا جائے۔

حنبل بن اسحاق سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک شخص نے ابوعبداللہ رحمہ اللہ کے پاس ایک خط لکھا جس میں وہ امام صاحب سے مشورہ طلب کر رہا تھا کہ میں ایک ایسی کتاب تصنیف کرنا چاہتا ہوں جس میں اصحاب بدعات وانحرافات نقد ہو، ساتھ ہی اہل کلام سے مناظرہ کرے اور ان پر اپنی حجت تمام کرے، چنانچہ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب نامہ کچھ اس طرح تحریر فرمایا: جہاں تک ہم سنا ہے، اور اہل علم کو پایا ہے کہ وہ ارباب بدع وخرافات سے کلام وجلوس سے حد درجہ

(۱) شرح السنۃ للبغوی: ۲۲۸/۱۔ (۲) الابانۃ: ۳۶۵/۲-۳۶۶۔

(۳) الابانۃ: ۳۶۵/۲-۳۶۶۔

احتیاط کرتے ہیں، ہمارا اصل محور فکر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے رشتہ استوار کرنا ہے، نہ کہ بدعتی ومنحرف حضرات کے ساتھ مجالست کرنا، ان سے گفتگو کرنا، کیونکہ ان کی گفتگو تمہیں اپنے اعتقاد کے سلسلے میں شکوک کے گڈھے میں لاگرائے گی، اور وہ اپنے دین سے رجوع کرنے والے نہیں، لہذا ہماری سلامتی ان سے ترک مجالست اور ان سے عدم گفتگو ہی میں ہے''۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں کی تالیف وتصنیف میں معروضی طریقۂ کار اختیار کرتے ہیں، ساتھ ہی عقلی ونقلی دلائل بھی فراہم کرتے ہیں، اہل کلام کے افکار پر تنقید سے اجتناب کرتے ہیں، جو کتابیں تنقیدی اسلوب میں لکھی گئی ہیں، ان میں شبہات واعتراضات نہایت مختصر نقل کرتے ہیں، صحیح اسلامی عقیدہ کے اثبات کے لیے سلفی منہج یہی ہے۔سلف صالحین، ائمہ مجتہدین کی کتابوں سے واقف ارباب علم وفن اس بات سے بخوبی واقف ہیں، اس کی زندہ مثال دیکھنا ہو تو امام لالکائی کی کتاب ''شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ'' ملاحظہ کرنا کافی ہوگا، لیکن بعض سلفی فکر کے حامل اہل علم نے اس قسم کا اہتمام نہیں کیا، جس سے نہ صرف سلفی مسلک پر برا اثر پڑا بلکہ عقلیاتی فکر کے حاملین کو موقع ہاتھ آگیا، ان میں سے بعض کتابوں کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

۱-كتاب رد الدارمي على المريسي (۲۸۲ھ)

مصنف کتاب نے ایک حدیث مریسی سے نقل کی ہے، اس نے اس حدیث کی تاویل کی ہے، "لما قضى الله خلقه استلقى ......" پھر مصنف کتاب نے مریسی کی غلط تاویل پر خوب نقد کیا ہے۔(۲) جبکہ یہ حدیث موضوع ہے، زیادہ اولی اور مناسب تھا کہ اس کی عدم صحت کو واضح کردیتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

مزید کہتے ہیں: "ومن الأحاديث أحاديث جاء ت عن النبي ﷺ قالها العلماء وردوها ولم يفسروها ومتى فسرها أحد برأيه اتهموه، فقد كتب إليّ علي بن خشرم أن وكيعا سئل عن حديث عبد الله بن عمر: "والجنة مطوية معلقة بقرون الشمس" فقال وكيع: هذا حديث مشهور قد روى فهو يرويها"۔ (۳)

یعنی ذخیرۂ احادیث میں بعض حدیثیں نبی ﷺ سے ایسی وارد ہیں، جن کو علماء نے بیان کیا ہے، اور روایت بھی کیا ہے، لیکن ان کی تفسیر وتوضیح نہیں کی، جنہوں نے بھی تفسیر کی کوشش کی تو لوگوں نے انہیں متہم کیا، چنانچہ علی بن خشرم نے میرے پاس لکھا کہ امام وکیع سے عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا ''جنت لپیٹ کر سورج کی سینگھ میں لٹکا دی گئی''، تو امام وکیع نے جواب دیا: یہ حدیث مشہور ہے، لوگوں نے اسے روایت کیا، لہذا وہ بھی اس کی روایت کرتے ہیں، جبکہ

(۱) الابانۃ: ۴۴۱/۱، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب الشریعۃ للآجری (۵۴، ۵۵، ۵۵، ۷۵)

(۲) کتاب رد الدارمی علی المریسی ص ۱۸۳۔

(۳) المصدر السابق ص ۸۸۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث مجہول السند ہے، اور دواوین سنت میں کہیں بھی موجود نہیں، لہذا امام صاحب نے یا مصنف کتاب نے کیسے گمان کرلیا کہ یہ حدیث مشہور ہے۔

۲- السنة لابن أبي عاصم (۲۸۷ھ)

صاحب کتاب اس میں اپنی سند سے جو قتادہ تک پہونچتی ہے روایت کرتے ہیں: انه زارا أبا سعيد الخدري فوجده مستلقيا رافعا إحدى رجليه على الأخرى ...... فرفع قتادة يده فقرصه قرصة شديدة قال أبوسعيد: أوجعتني! قال: ذلك أردت، ألم تسمع رسول الله ﷺ يقول: لما قضى الله خلقه استلقى ثم وضع إحدى رجليه على الأخرى ثم قال: لا ينبغي أن يفعل مثل هذا؟ قال أبوسعيد: نعم۔ (۱)

یعنی قتادہ فرماتے ہیں کہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی زیارت کرنے کے لیے ان کے گھر پہونچا، چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ ایک پاؤں دوسرے پر رکھے ہوئے چت لیٹے ہوئے ہیں، تو انہوں نے شدید چکوٹی کاٹا ''تکلیف دیا''، ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے مجھے بہت سخت تکلیف پہونچائی، قتادہ نے کہا: تکلیف پہونچانا ہی میرا مقصد تھا، کیا تم نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی کہ جب اللہ تمام چیزوں کو پیدا کر چکا تو چت لیٹ گیا، پھر اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھا، پھر فرمایا: اس طرح کی حرکت کرنا مناسب نہیں، ابوسعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں۔

امام البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تعلیق لگائی: ''اس کی سند ضعیف ہے، اس کا متن منکر ہے، گویا کہ یہودیوں کی خود ساختہ و من گھڑت ہے''۔

اسی طرح صاحب کتاب نے ''سورہ طہٰ'' کی قرأت کے تعلق سے ایک حدیث ذکر کی ہے (۲) جو ابن خزیمہ میں بھی موجود ہے، مگر وہ حدیث بھی موضوع ہے۔

۳- كتاب السنة لعبد الله بن أحمد بن حنبل (۲۹۰ھ)

امام السنۃ نے اپنی سند سے ابوالعطاف کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں: كتب الله التوراة لموسى بيده وهو مسند ظهره الى الصغرة فى ألواح من در يسمع صريف القلم ليس بينه وبينه الا الحجاب"۔ (۳)

اس حدیث کی سند میں ''ابوالعطاف'' نامی ایک راوی ہے جو مجہول ہے، امام ابن المدینی اس کے تعلق سے فرماتے

(۱) السنۃ لابن أبي عاصم ح: ۵۶۸۔

(۲) السنۃ لابن ابی عاصم ح: ۶۰۷۔

(۳) السنۃ لابن حنبل: ۱۴۵۔

ہیں: "ما أعلم أحدا روى عنه غير الجريري" (۱) یعنی جریری کے ماسوا کوئی شخص بھی ابوالعطاف سے روایت نہیں کرتا۔قارئین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ یہ حدیث ایک مجہول شخص کی روایت کردہ ہے، جو سند و متن دونوں اعتبار سے ضعیف ہے، لہٰذا اس طرح کی روایت کو نقل کرنا بجائے خود محل نظر ہے، مناسب تھا کہ اس پر تنقیدی نگاہ ڈالی جاتی، اسی طرح ایک حدیث دوسری سند سے منقول ہے، سند و متن اس طرح ہے:

حدثني أبي، حدثنا معاذ بن هشام بمكة حدثني أبي عن قتادة عن كثير بن أبي كثير عن أبي عياض عن عبد الله بن عمرو قال: إن العرش مطوق بحيه وإن الوحي لينزل في السلاسل". (۲)

اگر اس حدیث ''اثر'' میں صرف قتادہ کا عنعنہ ہی ہوتا، "قتادة معروف في التدليس" تو یہ حدیث کے ضعیف ہونے کے لیے کافی تھا، مگر اس پر مستزاد یہ کہ اس میں "كثير بن ابی كثير بصرى مولى عبد الرحمن بن سمرة" ہیں، جن پر اہل علم کا کلام معروف ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:

قال حدثني أبي، حدثنا أبو أسامة أنا هشام ابن عروة عن أبيه عن عبد الله بن عمرو قال: خلق الله الملائكة من نور الذراعين والصدر". (۳)

اس حدیث میں ہشام بن عروہ ہیں، ان کا اپنے والد سے اکثار روایت ان پر قدح کا سبب بنا۔ یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں: ''ہشام بن عروہ ثقہ راوی ہیں، ان پر عراق جانے سے قبل کوئی نکیر معلوم نہیں تھی، مگر جب عراق گئے، تو اپنے والد سے روایت کرنے میں بہت زیادہ کشادگی وفراخی کا مظاہرہ کیا، اس پر اہل شہر نے نکیر بھی کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ ہشام نے اہل عراق کے لیے نرمی اختیار کی، بایں طور پر کہ وہ اپنے والد سے سماع شدہ حدیثیں ہی روایت کرتے، لیکن بعد میں اپنے والد سے ''ارسال'' کرنے لگے، بایں طور پر "من غير أبيه عن أبيه" روایتوں کو بھی اپنی ہی طرف نسبت کرنے لگے۔ زیر بحث حدیث میں ہشام کے اپنے والد سے سماع کی تصریح نہیں، اس لیے یہ روایت ضعیف ہے، اور اس کا متن تو منکر ہے۔ یہ روایت دوسرے کسی بھی طریق سے وارد نہیں۔ (۴)

۴- كتاب التوحيد لابن خزيمة (۳۱۱ھ)

اس کتاب میں امام صاحب نے صحیح آثار واحادیث کو نقل کرنے کا شدید التزام اور قوی اہتمام کیا ہے، مگر اس احتیاط کے بعد بھی اس میں بعض حدیثیں ایسی در آئی ہیں، جن پر اہل علم کا کلام ہے، بلکہ اس میں بعض موضوع ومنکر روایتیں بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر جمع ہوگئی ہیں، ان میں سے بعض کو ہم یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

(۱) المیزان: ۴/۵۵۳۔ (۲) السنۃ: ۱۵۰۔

(۳) السنۃ: ۱۵۱، ۱۶۸۔ (۴) شرح اصول اعتقاد اهل السنۃ: ۱/۸۲۔

۱-امام صاحب نے اپنی سند سے ابو ہریرہؓ سے روایت کردہ ایک حدیث نقل کی ہے، فرماتے ہیں: إن الله تبارك وتعالى قرأ طه ويس قبل أن يخلق آدم بألفي عام" (۱) یہ موضوع حدیث ہے، تفصیل شرح اصول میں رقم: ۳۶۸ کے تحت مذکور ہے۔

دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

۲- حدثنا محمد بن بشار قال: ثنا هشام – يعني ابن عبد الملك – أخبرنا الوليد وثنا محمد بن يحيى قال: ثنا أبو الوليد قال ثنا حماد بن سلمة عن علي بن زيد وروى الليث بن سعيد قال حدثني زيد بن محمد عن محمد بن كعب القرظى عن فضالة بن عبيد عن أبي الدرداء عن رسول الله ﷺ قال: إن الله عز وجل ينزل في ثلاث ساعات بفين من الليل إلى أن قال: ثم ينزل في الساعة الثالثة إلى سماء الدنيا بروحه وملائكته فسينتقض فيقول: فيوى بعزتي". (۲)

اس حدیث کی سند میں ''زیاد بن محمد'' ہیں، جن کے تعلق سے امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابوحاتم، اور امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ ''منکر الحدیث'' ہیں، امام ابن حبان نے اتنا اضافہ کیا ہے: "جدا يروى المناكير عن المشاهير فاستحق الترك" (۳) فی الواقع وہ مناکیر احادیث مشاہیر سے روایت کرتے ہیں، لہٰذا ان کو ترک کرنا بہتر ہے، اسی سند میں ''علی بن زید بن جدعان'' ہیں، وہ ضعیف راوی ہیں، ان کی حدیثیں نا قابل (۴) احتجاج ہیں، مزید حدیث کا متن منکر ہے۔

۵- الإيمان لابن مندة (۳۸۷ھ)

امام ابن مندہ نے اپنی سند سے ایک حدیث ذکر کی، اللہ تعالیٰ کی رویت کے تعلق سے نبی ﷺ نے فرمایا: "ان الله عز وجل يتجلى يضحك" اور یہ اضافہ بھی ہے: "وسمعت رسول الله ﷺ يقول، حتى تبدو لهواته وأضراسه". (۵)

امام مندہ کے لیے مناسب تھا کہ وہ اس کی عدم صحت پر تفصیلی گفتگو کریں، تا کہ اس حدیث کا ضعف واضح ہو جائے، مگر امام صاحب نے صرف "ولم يذكر من تقدم هذا" پر اکتفا کیا، یعنی رویت کی احادیث روایت کرنے والوں نے اسے

(۱) کتاب التوحید لابن خزیمۃ: ۱۰۹۔ (۲) کتاب التوحید لابن خزیمۃ: ۸۹۔

(۳) تہذیب التہذیب لابن حجر: ۳/۳۹۲-۳۹۳۔ (۴) تہذیب التہذیب لابن حجر: ۱/۳۲۲-۳۲۴۔

(۵) الایمان لابن مندہ ص ۷۷-۷۸، رواہ ابوعوانہ فی مسندہ: ۱/۳۹، انظر: شرح اصول ص ۸۳۔

ذکر نہیں کیا ہے، یہ ایک ایسا جملہ ہے جو محتمل ہے، جس سے ضعف کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

٦- الإبانة لابن بطة (۳۹۵ھ)

ابن بطہ اپنی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "من قال: القرآن مخلوق فقد كفر بالله عز وجل" (۱) یعنی جس نے کہا قرآن مخلوق ہے تو اس نے اللہ تعالی کے ساتھ کفر کیا۔ اپنی ہی سند سے ایک قصہ اسی میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: قيل يولد في المشرق جارية وبالمغرب غلام يجتمعان على الفجور فكانت "عنقاء" تسمع فأنكرت ذلك فقال لها: خذي الجارية واحفظيها عندك ففعلت ورغم تحرزها وصل الغلام إلى الجارية"۔ (۲)

قارئین ملاحظہ کرتے ہیں کہ کیا اس طرح کی عبارتیں حدیث رسول ہو سکتی ہیں؟

یہ مختصر سا بیان تھا کہ علماء اہل سنت کی کتابوں میں بھی بعض منکر آثار ملتے ہیں، جس کے مضر اثرات پڑے، اس کے علاوہ اگر ہم کتب عقائد کی چھان بین کریں تو ضعیف روایات کا معتد بہ ذخیرہ نکل آئے گا، اسی ضرورت کے پیش نظر محققین و مدارس و جامعات کے اسکالرس کتابوں کی تحقیق ودراسہ کا کام کر رہے ہیں تاکہ علمی واعتقادی کتابوں سے خصوصا غلط آراء اور ضعیف آثار کو نکال دیا جائے۔ امام ابن تیمیہ کا قول اس باب میں فیصلہ کن ہے، فرماتے ہیں: ''صحیح حدیثوں کو ضعیف وسقیم حدیثوں سے بالکل الگ کرنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ سنت باطل نہیں بلکہ حق ہے، اور حق احادیث صحیحہ سے مستفاد ہوتا ہے نہ کہ ضعیف وموضوع روایات سے''۔ (۳)

اس باب میں اللہ تعالی جزائے خیر دے سعودی حکومت کو کہ اس نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں، تحقیق ودراسہ کے لیے پورا ماحول سازگار بنایا، اور اہل علم کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے عرب میں علم وتحقیق کے میدان میں جو نئی بیداری اور خوش آئند انقلاب آیا ہے، وہ اسی غیر معمولی توجہ کا نتیجہ ہے۔

☆☆☆

(۱) الابانۃ: ۱/۴/۱-۵۷۵-۵۷۵۔

(۲) الابانۃ: ۱/۷/۱، ۳۸۷، ۳۹۲ بتصرف یسیر۔

(۳) الوصیۃ الکبری لابن تیمیہ: ۲۸۳، الفتاوی: ۳/۳۸۰۔

نماز کی عظمت

تحریر: فضیلۃ الشیخ مسند بن محسن القحطانی
ترجمہ: عبدالعلیم عبدالرحیم فانی

اسلام کے تمام ظاہری عبادات میں نماز سب سے عظیم عبادت ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ذلك ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب﴾ (یہ سن لیا، اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت واحترام کرے اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ ہے۔ (سورۃ الحج آیت نمبر: ۳۲)

یاد رکھیں کہ نماز کی خصوصیات اور دین اسلام میں نمایاں امتیازی مقام کی وجہ سے اللہ پاک نے نماز کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔

۱- اللہ پر ایمان لانے اور اس کی توحید اپنانے کے بعد سب سے پہلے اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اللہ تعالی نے نماز کو روزہ سے پہلے، زکاۃ سے پہلے، اور حج جیسی عظیم عبادت سے پہلے اور عورتوں کے پردہ کے احکامات اور دیگر شعائر اسلام سے بھی پہلے فرض کیا ہے۔

۲- نماز اسلام کی ظاہری عبادتوں میں سب سے عظیم الشان ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز کے ذریعہ سے مسلمان اور غیر مسلم میں تمیز کیا جاتا ہے، اور نمازوں کا ادا کرنا ہی ایک انسان کا اسلام میں رہنے اور اس کے مسلمان ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

۳- نماز ایک مسلمان کے اعمال کا بہترین مظہر ہے جیسا کہ حدیث رسول ﷺ میں فرمایا گیا ہے: "واعلموا أن خير أعمالكم الصلاة" اے لوگو یاد رکھو! تمہارے روزمرہ کے کاموں میں خیر اور بھلائی والا کام نمازوں کا ادا کرنا ہے۔ (اس حدیث کو امام احمد نے نقل کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے صحیح کا درجہ دیا ہے۔)

۴- نماز ہی ایک ایسی عالیشان عبادت ہے جسے اللہ نے ساتویں آسمانوں کے اوپر سے اسراء ومعراج کے موقع پر فرض کیا برخلاف دیگر سارے ارکان اسلام کے جسے اللہ نے فرشتہ جبرئیل کے ذریعہ زمین پر فرض کیا۔

۵- نماز ایک ایسی عبادت ہے جو کہ تمام ہی انبیاء اور رسولوں پر یکساں فرض تھی جسے آسمانوں پر رہنے والے معزز ومکرم فرشتے اور زمین پر بسنے والے جن وانس بطور عبادت ادا کرتے آرہے ہیں جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: آسمان پر ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں فرشتوں نے سجدہ اور قیام نہ کیا ہو۔ (شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو سلسلۂ صحیحہ میں صحیح کہا

ہے۔حدیث نمبر:۱۰۶۰)

۶- چھوٹے مسلمان بچوں کو بھی سب سے پہلے نماز ہی کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہو جائیں، اور نماز نہ پڑھنے پر انہیں مارو جب وہ دس برس کے ہو جائیں۔(اس حدیث کو امام احمد اور ابوداود نے ذکر کیا اور شیخ البانی نے صحیح کہا ہے)

۷- نماز ہی ایک ایسا فریضہ ہے جس کی وصیت اللہ کے نبی محمد ﷺ نے اپنی موت کے وقت امت کو فرمائی تھی جیسا کہ حدیث رسول ﷺ میں صراحت ہے: الصلاۃ الصلاۃ۔ یعنی لوگو! نماز کا اہتمام کرنا، ہاں نمازوں کی پابندی کرنا۔(امام احمد اور نسائی نے ذکر کیا ہے اور شیخ البانی نے صحیح کہا ہے)

۸- نماز سے کسی بھی حال میں مسلمان کے لیے چھوٹ نہیں ہے سوائے حائضہ اور نفاس والی عورت کے، حتی کہ مسلمان حالت سفر میں ہو کہ حالت جنگ میں ہو، یا بیماری کی حالت میں ہو حسب استطاعت نماز ضرور ادا کرے گا، برخلاف روزہ، زکوۃ، اور حج، مجبوری کی حالت میں ان کے ادا نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

۹- نماز چھوڑنے کو نبی کریم ﷺ نے کفر کہا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: ''آدمی اور کفر وشرک کے درمیان نماز کا نہ پڑھنا ہے'' (صحیح مسلم) اور ایک حدیث میں کہا گیا ہے: ''ہمارے اور کافروں کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ نماز کا پڑھنا ہے ۔لہذا جس مسلمان نے نماز چھوڑ دی بلاشک وہ کافر ہو گیا''۔(ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، ابوداود، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے)

۱۰- ہمارے دین کی آخری چیز جو غائب ہوگی وہ نماز ہوگی، جیسا کہ حدیث رسول ﷺ ہے: "وآخر ما يبقى من دينكم الصلاة" اور آخری چیز جو دین اسلام کی باقی رہ جائے گی وہ نماز ہوگی''۔

۱۱- اللہ پاک نے نماز کو ایمان کا نام دیا ہے، پنج وقتہ نمازوں کے ادا کرنے کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا نماز میں ایمان ہے اور ایمان سے نماز ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ اور اللہ تعالی تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرنے والا ہے۔(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:۱۴۳)

۱۲- بندۂ مومن حالت سجدہ میں اپنے رب کے بہت ہی قریب ہوتا جبکہ وہ نماز ادا کر رہا ہوتا ہے جیسا کہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔(صحیح مسلم)

۱۳- نمازوں کی ادائیگی ہی ایک ایسا بڑا سبب ہے جس کی مدد سے نمازی جنت میں اپنے پیارے نبی کے ساتھ ہوگا، جیسا کہ حدیث رسول میں ایک سوال کرنے والے صحابی کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أعني على نفسك بكثرة السجود" یعنی کثرت سجود کے ذریعہ اپنے آپ کی مدد کر، تاکہ کل جنت میں اللہ کے نبی ﷺ کی صحبت

حاصل ہو۔(صحیح مسلم)

۱۴- نماز ہی ایک ایسی خاص عبادت ہے جس کے ذریعہ کل قیامت کے روز مومن بندوں اور منافقوں کے درمیان فرق اور تمیز کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ خود اللہ پاک نے فرمایا ہے: ﴿یوم یکشف عن ساق ویدعون إلی السجود فلا یستطیعون﴾ یعنی جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدہ کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے۔(سورۃ القلم:۴۲)

۱۵- روز قیامت ہمارے نبی محمد ﷺ اپنی امت کو جن علامتوں کے ذریعہ پہچانیں گے ان میں سب سے بڑی نشانی (نماز کی وجہ سے) ان کے اعضاء وضو کا چمکنا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث رسول ﷺ میں بیان کیا گیا ہے کہ: بے شک میری امت کل قیامت کے روز بلائی جائے گی وضو کے اعضاء ہاتھ اور چہرہ کے چمک دمک کے ذریعہ سے۔(صحیح بخاری)

۱۶- کل قیامت کے روز نمازی شخص کو آگ سے بچالیا جائے گا جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے کہ اللہ پاک نے آگ کو سختی کے ساتھ حکم دے رکھا ہے کہ وہ نمازی مسلمان کے سجدہ کی جگہ کو تکلیف نہ پہنچائے، اور یہ صرف اور صرف نماز کی برکت کی وجہ سے ہے۔(حدیث بخاری ومسلم)

۱۷- نماز ہی ایک ایسی عظیم عبادت ہے جس کے ذریعہ سے مسلمان کئی قسم کے گناہوں سے غلطیوں اور جرائم سے بچالیا جاتا ہے، جیسا کہ خود اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الصَّلاَةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ یعنی بے شک نماز نمازی کو بے حیائی اور بری باتوں سے بچائے رکھتی ہے۔(سورۃ العنکبوت آیت نمبر:۴۵) معلوم ہوا جب تلک ایک مسلمان اپنی نمازوں کی پابندی کرتا رہتا ہے تو اس کو اس کی یہ نمازیں اس کی نگہبانی اور حفاظت کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور وہ ہر قسم کی بے حیائی اور بری باتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۸- نماز ایک ایسی اعلی عبادت ہے جس کے ذریعہ سے نمازی اللہ پاک سے مدد طلب کرتا ہے جس کا حکم اللہ پاک نے دے رکھا ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ﴾ یعنی نماز اور صبر کے ساتھ اللہ سے مدد طلب کرو۔(سورہ بقرہ، آیت نمبر:۴۵) دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۳)

۱۹- نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ جب کہیں بھی پیارے نبی محمد ﷺ کو کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہوتا یا کوئی غم لاحق ہوتا تو فوراً نماز کی طرف دوڑ پڑتے۔(حدیث رسول ﷺ، مسند احمد، ابوداود، شیخ البانی نے حسن کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مومن بندہ کی زندگی میں نماز ہی ایک ایسا بڑا ذریعہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی زندگی کی تمام پریشانیوں، مصیبتوں اور غموں کو دور

کر سکتا ہے۔

۲۰-پیارے نبی محمد ﷺ اپنے پیارے صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ نماز کے لیے اقامت کہیں تاکہ آپ ﷺ نماز ادا کرکے راحت وسکون حاصل کریں، چنانچہ فرماتے تھے: يا بلال أقم الصلاة، أرحنا بها۔ یعنی اے بلال نماز کے لیے اقامت کہواور اس کے ذریعہ ہمیں سکون پہنچاؤ۔(حدیث رسول ﷺ، مسند احمد، ابوداود، شیخ البانی نے حسن کہا ہے) یادرکھیں کہ نماز ہی ایک ایسا بہترین ذریعہ ہے جس سے بندہ سکون واطمینان حاصل کرکے اپنی روزمرہ کی زندگی سے ہر قسم کے غم ورنج کو دور کرنے میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔

۲۱-نماز ہی ایک ایسی عمدہ عبادت ہے جس کے ذریعہ ہمارے نبی ﷺ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچایا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "جعلت قرة عيني في الصلاة" یعنی میرے لیے میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔(مسند احمد، شیخ البانی نے صحیح کہا ہے) ایسے ہی نماز ان تمام مسلمانوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، اگر نماز کی اہمیت اور اس کی عظمت کو سمجھ کر پڑھا جائے اور اللہ رب العالمین کے سامنے حالت نماز میں کھڑے ہونے کی عظمت کو سمجھا جائے تو نماز کا لطف حاصل ہوگا اس لیے کہ اللہ پاک نے نماز میں حد درجہ کی لذت اور چاشنی کے ساتھ دل کی خوشی اور سرور رکھا ہے۔

۲۲-نماز سارے اعمال کے لیے ترازو کا درجہ رکھتی ہے یا یہ کہئے کہ نماز پر سارے اعمال کا دارومدار ہے جیسا کہ صحابی رسول عمر بن الخطاب کا مشہور قول نماز کے تعلق سے ہے کہ جس نے نماز کی حفاظت کی گویا اس نے سارے نیک اعمال کی حفاظت کی اور جس نے نماز جیسی عظیم عبادت کو ضائع کردیا گویا اس نے سارے نیکیوں کو برباد کردیا۔

۲۳-نماز اللہ کے پاس ہماری شناخت اور پہچان کا ذریعہ ہے جیسا کہ محدث وامام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے کہ جس کو یہ جاننا ہو کہ اس کا مقام ومرتبہ اللہ کے یہاں کس قدر بلند وبالا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ معلوم کرے کہ اس کے پاس نماز جیسی عبادت کا مقام ومرتبہ کیا ہے یا اس کے نزدیک نماز کی اہمیت کس قدر ہے۔

۲۴-نماز کے تمام اعمال پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس سے اللہ کی توحید کا اظہار ہورہا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی کی پاکی اور اس کی تعظیم کی جارہی ہے، نماز میں اللہ کی کبریائی کا بیان ہے، اللہ کی تعریف ہے، اس کی بڑائی ہے، نماز میں اللہ کے لیے بندہ خشوع وخضوع اختیار کرتا ہے اور اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر اپنی عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ الغرض نماز میں وہ تمام اہم کیفیتیں جمع کردی گئی ہیں جو کہ صرف اللہ رب العالمین کے لیے سزاوار ہیں۔

۲۵-نماز بندہ اور اس کے رب کے درمیان مناجات ہے، جب نمازی اپنی نماز میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے

الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ جواب میں کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب نمازی الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی ہے اور جب نمازی مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ستائش کی ہے۔مزید آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب بندۂ مومن نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو گویا کہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے یا اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔(حدیث بخاری ومسلم)

۲۶-حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اعمال کا حساب وکتاب شروع ہوگا تو سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔اور ایک روایت میں ہے کہ اگر نمازیں درست ہوئیں تو اس کے سارے اعمال درست ہوں گے اور اگر نمازیں درست نہ ہوئیں تو اس کے سارے اعمال برباد ہوگئے۔(احمد،ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور شیخ البانی نے ان دونوں روایتوں کو صحیح کہا ہے)

۲۷-نماز گناہوں کو دور کرنے کا اہم ذریعہ ہے جیسا کہ ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کو کسی فرض نماز کا وقت مل گیا،اس نے اس کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور اس میں خشوع وخضوع برقرار رکھا،رکوع وسجود بھی پوری اور اچھی طرح کیا تو اس کی یہ نماز پچھلے گناہوں کے لیے کفارہ بن جائے گی جب تک کہ گناہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے،اور یہ عمل اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا۔(مسلم)اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے مزید ارشاد فرمایا کہ ذرا بتاؤ تو سہی!اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن کا میل کچیل ذرا سا بھی باقی رہے گا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ذرا بھی باقی نہ رہے گا،تب آپ ﷺ نے فرمایا: یہی پانچ نمازوں کا حال ہے،ان کے ذریعہ اللہ پاک تمام چھوٹے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔(صحیح بخاری ومسلم)

۲۸-ایمان کے بعد نماز ہی دنیا وآخرت میں نجات کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے: ﴿قَدۡ أَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ صَلاَتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ﴾ یعنی تحقیق کامیابی وکامرانی حاصل کی مومن بندوں نے جو کہ اپنی نمازوں میں خشوع اور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔(سورۃ المومنون،آیت نمبر۱،۲)

۲۹-نماز ہی ایک ایسی عظیم الشان عبادت ہے جس کے ذریعہ سے نفس کی پاکیزگی حاصل کی جاسکتی ہے ساتھ میں ہر قسم کی برائی وپریشانی،بخل وکنجوسی بلکہ ہر طرح کے برے اخلاق سے دور رہا جاسکتا ہے،جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الإِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعاً، إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعاً وَإِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعاً، إِلاَّ الۡمُصَلِّيۡنَ﴾ یعنی انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے،جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو بڑا بڑا اٹھتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے،مگر وہ نمازی......۔(سورۃ المعارج آیت نمبر ۱۹-۲۲)

۳۰- نماز نمازی کے لیے رزق کے دروازے کھولنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقاً نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى﴾ یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس پر جمے رہو، ہم تم سے روزی نہیں مانگتے بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر کار بول بالا پرہیزگاروں کا ہے۔ (سورہ طٰہ آیت نمبر ۱۳۲) الغرض جس کسی نے بھی اچھے طریقہ سے نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کیا اور صبر سے کام لیا تو اللہ پاک ایسی جگہ سے روزی کا انتظام فرمائے گا کہ کسی کا گمان بھی نہ ہوگا۔

۳۱- جس نے بھی نمازوں کی پابندی کی اس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اسے لازماً جنت میں داخل کیا جائے جیسا کہ پیارے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالی نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جس نے ان نمازوں کے لیے اچھی طرح وضو کیا اور ان کو بروقت ادا کیا، ان میں رکوع و سجود صحیح طور پر ادا کیا تو ایسے نمازی مسلمان کے لیے اللہ تعالی کے ذمہ یہ عہد ہے کہ اللہ اسے بخش دے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے ذمہ یہ عہد ہے کہ اسے بخش دے اور اسے جنت میں داخل فرمائے، اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لیے اللہ پاک کے ذمہ کوئی عہد بخشش نہ ہوگا چاہے تو اسے بخش دے یا عذاب میں مبتلا کرے۔ (مسند احمد وابوداود، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے)

۳۲- نمازی کو حالت نماز میں اپنی نماز کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسی بات کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے: "إن في الصلاة شغلا" یعنی بے شک نمازی کو اپنی نماز ہی میں مشغول ہونا چاہئے۔ (کوئی اور کام نہ کرے) (بخاری ومسلم)

۳۳- نماز دین اسلام کا ستون ہے جیسا کہ پیارے رسول محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: تمام اعمال کا اصل اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی بلندی جہاد ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے) لہذا نماز دین میں افضل ترین عمل ہے۔

۳۴- اللہ پاک نے نماز کے لیے طہارت و پاکیزگی اور زیب و زینت کے ساتھ قبلہ رخ ہونے کی شرط رکھی ہے اس کے علاوہ کسی اور عبادت کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔

۳۵- نماز کے لیے انتظار کرنا اللہ کے راستے میں پہرہ دینے کے برابر ہے جیسا کہ حدیث رسول میں ہے، اللہ کے رسول محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز کے بارے میں نہ بتلاؤں جس کی وجہ سے اللہ پاک گناہوں کو معاف کر دیتا اور درجات کو بلند فرماتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ضرور بتلایئے اے اللہ کے رسول ﷺ، تب آپ ﷺ نے فرمایا: سردی ہو کہ بیماری یا اور کوئی تکلیف ان تکالیف کے باوجود مکمل طور سے وضو کرنا، زیادہ سے زیادہ مسجد

کی طرف چل کر جانا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے، ہاں یہی رباط ہے، یعنی دشمنوں کی حفاظت کے لیے سرحد کی پہرہ داری کرنا۔ (صحیح مسلم)

۳۶- اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد ﷺ کو نماز کی پابندی کرنے اور اس پر جمے رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرتے رہنا اور خود بھی نماز کی پابندی کریں۔ (سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۳۲)

بلکہ اللہ تعالی اپنے مسلمان بندوں کو تمام عبادات پر جمے رہنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ تو اسی کی عبادت (بندگی) کر اور اسی کی عبادت پر جم جا۔ (سورہ مریم آیت نمبر ۶۵) یہ اس لیے کہ نماز کی شان ہی نرالی ہے اور جمے رہنے سے مراد صبر وضبط کے ساتھ ہمیشگی کے ساتھ اللہ کی بندگی بجالایا جائے۔

۳۷- پیدائش کے فورا بعد ہی بچہ کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو نماز جنازہ کے ذریعہ ہی اس کی رخصتی ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مومن کی زندگی اذان اور اقامت کے درمیان ہے۔

۳۸- سب سے پہلے دوزخی قیامت کے روز جس بات پر افسوس کریں گے وہ نمازوں کے ادا نہ کرنے کا ہوگا، جیسا کہ خود اللہ پاک کا صاف ارشاد ہے: ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ، قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ﴾ یعنی تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا وہ جواب میں کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے یا وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ (سورۃ المدثر آیت نمبر ۴۲-۴۳)

۳۹- جس نے بھی نماز کی پابندی کی کل قیامت کے روز نماز اس کے لیے روشنی، دلیل اور نجات کا باعث ہوگی جیسا کہ ہمارے رسول ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جس نے نماز کی پابندی کی، نماز اس کے لیے قیامت کے روز نور ہوگی اور اس کے ایمان کی دلیل ہوگی اور اس کی نجات کا سامان ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی، اس کے لیے نماز نہ نور ہوگی نہ ہی اس کے ایمان کی دلیل اور نہ ہی اس کی نجات کا سامان ہوگی اور قیامت کے روز ایسے بے نمازی شخص کا حشر قارون اور فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد، صحیح ابن حبان، دارمی)

نماز کی اہمیت وفضیلت اور اس کی برکات کے تعلق سے بعض فوائد اور خصوصیتیں ہیں جن سے اس بات کا خوب اندازہ ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک نماز کی عظمت اور اس کی قدر و قیمت کتنی عظیم ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شعائر اسلام کا اظہار کرنے اور اس کی تعظیم بجالانے کی توفیق بخشے اور ہمیں وقت

مقررہ پر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کی توفیق دے اور ہمیں اس کا محافظ بنا دے، نیز ہمیں اس کے ذریعہ سے دنیا وآخرت کی بھلائی وسعادت مندی نصیب فرمائے، آمین۔ ☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ (۱/۲۶۰) میں فرماتے ہیں: "اعلم أن الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه" آپ کی جانکاری میں یہ بات آنی چاہئے کہ لوگ چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک معین مذہب کی خالص تقلید پر جمع نہیں ہوئے تھے۔ آگے لکھتے ہیں: "لا يقلدون إلا صاحب الشرع" صرف صاحب شریعت کی ہی تقلید کرتے تھے۔

مروجہ تقلیدی مذہب کا آغاز حکومت کے عمل دخل اور قضاء کے منصب سے ہوا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں اس طرح کے قضاء کی بندش نہیں تھی، وہ لوگ ایمان وعمل میں اتنے مضبوط تھے کہ فقہی مسائل میں اس پابندی کی ضرورت نہ تھی۔

جب مہدی اور ہارون رشید کا دور آیا تو قضاء کو عراقیوں کے فقہ کے ساتھ مخصوص کردیا گیا اور مذہب حنفی حکومت کا مذہب ہوگیا جو بہت دنوں تک رائج رہا۔ اندلس اور مغرب کی حکومتوں نے مالکی مذہب اختیار کیا اور شام میں شافعی مذہب حکومت کا مذہب رہا۔

ایسے حالات میں مذہبی تعصب کا ہونا ناگزیر تھا اور خصوصا ان علاقوں میں جہاں مختلف حکومتوں کے لوگ آپس میں ملتے تھے۔ اسی لیے حنفی اور شافعی میں شدید اختلافات اور جدل واقع ہوئے ہیں۔

ان حالات میں اجتہاد کا دروازہ بند کردینا حکومت کی مجبوری بنی اور پرانے فقہاء کی پیروی پر سختی سے عمل کیا جانے لگا۔ ائمہ کرام کے احترام کی خاطر یہ راہ نکالی گئی۔ کسی ایک امام کی تقلید کی جائے سب ٹھیک ہے تاکہ آپس میں لڑائی وجھگڑا نہ ہو۔

ذیل میں ان چار ائمہ کرام کا ڈاٹا پیش کرتے ہیں جن سے ان ائمہ کے زمانہ اور مقام کو سمجھا جاسکے:

نمبر شمار	نام	پیدائش	وفات	جائے پیدائش	کہاں کہاں سفر کیا
۱	امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی	۸۰ھ ۶۹۹ء	۱۵۰ھ ۷۶۷ء	کوفہ	کوفہ میں رہے بغداد میں وفات ہوئی
۲	امام مالک مالک بن انس بن مالک الاصبحی المدنی	۹۳ھ ۷۱۲ء	۱۷۹ھ ۷۹۵ء	مدینہ منورہ	مدینہ میں رہے مدینہ میں وفات ہوئی
۳	امام شافعی محمد بن ادریس الشافعی	۱۵۰ھ ۷۶۷ء	۲۰۴ھ ۸۲۰ء	غزہ فلسطین	یمن، عراق، حجاز، مصر مصر میں وفات ہوئی
۴	امام احمد بن حنبل ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	۱۶۴ھ ۷۸۰ء	۲۴۱ھ ۸۵۵ء	بغداد	کوفہ، مکہ، مدینہ، شام، یمن بغداد میں وفات ہوئی

☆☆☆ (جاری)

اورادووظائف بہترین توشۂ آخرت

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم

تجھ سے گریباں مرا مطلع صبح نشور
تجھ سے مرے سینے میں آتش اللہ ھو

یہ دنیا، اس کی رنگینیاں اوراس کے مسافر آخر سب فانی ہیں، اور یہاں کی ہر چیز آنی جانی ہے، اوراس دارفانی کی یہ حسین صورت اوردلکش نظارہ، تاروں سے بھرا آسمان، ہریالی سے لپٹی زمین آخر ایک دن ختم ہوکر رہے گی۔ اوران سب کے خالق ومالک دو جہاں اللہ رب العالمین کی ذات ہی صرف باقی رہنے والی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام﴾ ہر چیز جوزمین پر ہے ختم ہوجانے والی ہے اورآپ کے رب کی ذات باقی رہ جائے گی جوجلال اورعزت والا ہے۔(تیسیر الرحمٰن:۱۵۱۲)

لیکن کیا وجہ ہے کہ ہم نادان انسان جواپنے آپ کو دانائے اعظم تصور کرتے ہیں، غفلت وبے خوابی میں مبتلا ہیں، بصیرت وبصارت رکھنے کے باوجود دنیا کی حقیقت سے تغافل اختیار کئے ہوئے ہیں، کیا ہمارے کانوں سے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کی صدانہیں ٹکراتی؟ کیا اپنی اس شب وروز کی حیات مستعار میں اپنے ہی اعزہ واقارب سے نہیں بچھڑتے، اوراس دارفانی سے اس دارابد کی طرف کوچ کرتے ہوئے انہیں نہیں دیکھتے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ ان نصیحت آموز باتوں سے ہم موعظت پذیر نہیں ہوتے؟ کیا ہمارے اذہان وقلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں یا ہم اس حقیقت کو تلخ گھونٹ سمجھ کر نگلنے کی زحمت گوارانہیں کرتے؟

اسلامی بھائیو! ہمیں آخرت کی فکر دامن گیر ہونی چاہئے اوراس فکر آخرت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہمارااولین فریضہ ہونا چاہئے اور یہ یادرہے کہ اس کے تقاضوں میں جہاں روزہ، نماز، حج اورزکاۃ وغیرہ ہیں، وہیں دعائے ماثور کے ذریعہ رب کو راضی کرنا بھی ایک اہم تقاضا ہے اور یہ کوئی مشکل نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ایک ایسے ورد کی تعلیم دی جوعمل کے اعتبار سے سب سے آسان اورسب سے سستا ہے، وزن میں بھاری اوراس کو یاد کرنا بالکل آسان ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "كلمتان حبيبتان إلى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم" (۱) یعنی دو کلمے اللہ تعالی کو بے حد محبوب ہیں۔ زبان پر ہلکے اوروزن میں بھاری ہیں، اوروہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہیں۔

حدیث مذکور میں ان دوکلموں کو جوخفیف اورثقیل سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے قلت عمل اور کثرت ثواب مراد ہے،

(۱) بخاری، کتاب التوحید ح:۷۵۶۳۔

ساتھ ہی ساتھ اس تسبیح میں حروف کی قلت اور زبان پر اس کی ادائیگی کے آسانی کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ اس میں اتنے بھاری بھر کم جملے نہیں کہ کوئی اس کا ورد نہ کر سکے۔ اور اس آسانی کے باوجود وزن میں ثقیل یعنی اجر وثواب کے اعتبار سے گراں ہے۔

بعض سلف سے نیکی کی ثقالت اور برائی کی خفت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نیکی کے کام میں (ظاہری طور پر) کڑواہٹ ہوتی ہے اور اس میں حلاوت نہیں ہوتی، اس لیے اس کا کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے، تو سنو! اس کا بھاری پن تمہیں اس کے ترک کر دینے پر نہ ابھارے! اور برائی کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں (ظاہری طور پر) مٹھاس ہوتی ہے اور کڑواوٹ نہیں ہوتی، اس لیے وہ ہلکا معلوم ہوتا ہے، تو سنو! اس کا ہلکا پن تمہیں اس کے ارتکاب پر نہ ابھارے!(۱)

اس تسبیح کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیث کے اندر اشاد فرمایا: من قال سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ في يوم، مائة مرة، حطت خطاياه، ولو كانت مثل زبد البحر۔ (۲) کہ جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ ایک دن میں سو مرتبہ پڑھے گا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کی مانند ہی کیوں نہ ہو۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من قال حين يصبح وحين يمسي "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ" مائة مرة، لم يأت أحد يوم القيامة بأفضل مما جاء به الا أحد قال مثل ما قال أو زاد عليه" (۳) کہ جو شخص صبح وشام سبحان اللہ وبحمدہ سو مرتبہ پڑھے گا تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے زیادہ نیکی لے کر نہیں آئے گا مگر ایسا شخص جس نے اسی طرح کا ورد کیا تھا یا اس سے زیادہ۔

امام کائنات جناب محمد ﷺ کو دنیا کی تمام چیزوں سے اللہ کی تسبیح اور اس کی تحمید پیاری تھی، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لأن أقول: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ أحب إلي مما طلعت عليه الشمس" (۴) کہ میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" کہوں یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی دنیا سے)

اسی تسبیح کی فضیلت میں حضرت مصعب بن سعد سے ایک حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: أيعجز أحدكم أن يكسب كل يوم ألف حسنة"؟ کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ہر دن ایک ہزار نیکیاں کمائے؟ نبی ﷺ کی یہ بات سن کر

(۱) فتح الباری: ۱۳/۵۴۰-۵۴۱۔ (۲) مسلم، کتاب الذکر، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء۔
(۳) مسلم، کتاب الذکر، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء۔ (۴) مسلم، الذکر، ح: ۶۸۴۷۔

آپ سے اسی مجلس کے ایک فرد نے پوچھا: 'كيف يكسب أحدنا ألف حسنة؟ کہ ہم میں سے کوئی ایک ہزار نیکیاں کیسے کمائے گا؟ تو آپ نے فرمایا: يسبح مائة تسبيحة، فيكتب له ألف حسنة وتحط عنه ألف خطيئة۔ وہ اس طرح سے کہ وہ سو بار تسبیح پڑھے گا تو ایک ہزار نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی اور ایک ہزار گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔(۱)

اسی طرح اور بھی ماثور دعائیں ایسی ہیں جو آسان اور چھوٹی ہونے کے باوجود وزن میں بھاری وثقیل ہیں اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بھی، مثلا: اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی سے نواز اور آخرت میں (بھی) بھلائی سے نواز اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔(۲)

مذکورہ دعا کی فضیلت میں ایک حدیث مروی ہے جس سے اس پیاری دعا کی خوبیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: عاد رجلا من المسلمين قد خف فصار مثل الفرخ۔ نبی ﷺ نے ایک مسلمان شخص کی عیادت فرمائی، جو نہایت کمزور ہوکر چوزے کی طرح ہوگیا تھا، تو آپ نے اس سے فرمایا: هل كنت تدعو بشيء أو تسأله إياه؟ کیا تم دعا کرتے تھے؟ اس شخص نے کہا: نعم! كنت أقول: اللهم ما كنت معاقبي به في الآخرة، فعجله لي في الدنيا۔ ہاں میں یہ کہا کرتا تھا کہ اے پروردگار عالم! جو تو مجھے آخرت میں عذاب دے گا وہ دنیا ہی میں دے دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان الله لا تطيقه – أو لا تستطيعه – أفلا قلت: اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اللہ پاک ہے تو اس کی طاقت نہیں رکھتے، تم نے "اَللّٰهُمَ آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِی الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" کیوں نہ کہا، یہی دعا پڑھ لیتا! کہتے ہیں کہ پھر رسول نے اس شخص کے لیے دعا کی تو اللہ نے اسے شفا دے دی۔(۳)

اسی طرح "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" ہی کو لے لیجئے، یہ دعا آسان اور عام فہم ہونے کے باوجود جنت کا خزانہ ہے، نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن قیس سے فرمایا: کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ صحابیٔ رسول فرماتے ہیں: بلى يا رسول الله! ضرور اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: قل لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہ اس کے لیے تم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھتے رہو۔(۴)

حضرات! انسان کو چاہئے کہ ماثور دعاؤں کے ذریعہ اپنے لیے خیر وبھلائی کی راہیں ہموار کرتا رہے اور چھوٹی چھوٹی

(۱) مسلم، الذکر، ح:۶۸۵۲۔ (۲) مسلم، کتاب الذکر: ۶۸۴۰۔
(۳) مسلم، الذکر: ۶۸۳۵۔ (۴) مسلم، الذکر: ۶۸۶۲۔

دعاؤں کے ذریعہ عذاب قبر وغیرہ سے پناہ مانگے ،مثلاً یہ دعا "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسْلِ وَأَرْذَلِ الْعُمْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بخل، کسل مندی، سخت بڑھاپے کی عمر، عذاب قبر اور زندگی وموت کی آزمائش سے۔ پڑھے جو کہ رسول اللہ ﷺ برابر پڑھا کرتے تھے۔(۱) اسی طرح سوتے وجاگتے وقت بھی اللہ کو نہ بھولے اور کم محنت کرکے زیادہ اجر وثواب کا مستحق بن جائے، جو آخرت میں نجات کا ذریعہ ہو۔ مثلاً یہ دعا "اَللّٰهُمَّ اِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ، وَشَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ. ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو میں نے کیا اور اس کے شر سے جو میں نے نہیں کیا۔ (۲) کا ورد کرے۔

اللہ رب العالمین ہر وقت انسان کی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے، بس دیر ہے انسان کے تیار ہونے کی ،ایک حدیث قدسی میں اللہ نے فرمایا: من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها وأزيد، ومن جاء بالسيئة فجزاء سيئة مثلها أغفر، ومن تقرب مني شبرا تقربت منه ذراعا، ومن تقرب مني ذراعا تقربت من باعا، ومن أتاني يمشي أتيته هرولة، ومن لقيني بقراب الأرض خطيئة لا يشرك بي شيئا، لقيته بمثلها مغفرة۔ (۳) کہ جوشخص نیکی کرے گا تو اس کو اس کا بدلہ دس گنا اور اس سے بھی زیادہ ملے گا اور جو برائی کرے گا تو اس کو برائی کی سزا اس برائی کے برابر ملے گی یا تو میں اس کو بخش دوں گا، اور جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوں گا اور جو ایک ہاتھ قریب ہوگا میں اس سے ایک بازو تک قریب ہوں گا اور جو میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف تیز دوڑ کر آؤں گا اور جو زمین بھر خطائیں لے کر آئے گا اس حال میں کہ وہ شرک نہ کیا ہو تو میں اسی کے مثل مغفرت لے کر اس سے ملوں گا (سبحان اللہ)۔ کس قدر مہربان ہے اللہ رب العالمین اپنے بندوں پر، اس سے اچھا طریقہ اللہ رب العالمین کی قربت کا اور کیا ہوسکتا ہے۔ لہذا ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ اتنے بہترین نسخے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور آج ہی سے ان مذکورہ اذکار کے ذریعہ اپنی آخرت کی منزل کی تیاری کریں جس منزل کے بعد اور کوئی منزل نہیں اور جنت میں گئے تو اس منزل سے اچھی کوئی منزل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

(۱) مسلم، باب التعوذ من العجز والکسل، ح:۶۸۷۶۔
(۲) مسلم، ح:۶۸۹۶۔ (۳)

فارقلیط شناسی کی ایک اہم کوشش

اطہر افضال، نئی دہلی

مولانا محمد عثمان فارقلیط (۱۸۹۷-۱۹۷۶) کا نام سب سے پہلے استاذ محترم مولانا مجاز اعظمی کی زبانی سنا تھا۔ وہ کچھ اس انداز سے ان کی دلنواز شخصیت اور بے باک صحافت کا ذکر کرتے تھے کہ ان کے بارے میں مزید جاننے اور پڑھنے کا اشتیاق پیدا ہو جاتا تھا۔ ترجمان دہلی کے پرانے شماروں میں ان کے چند مضامین ''مسلمانوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا'' اور ''ایک انقلابی اسکیم'' پڑھنے کا موقع ملا جو غالبًا الجمعیۃ دہلی سے نقل کر کے دوبارہ چھاپے گئے تھے۔ یہ مضامین سادگی، سوز اور سوچ کا مجموعہ تھے جن سے میں بہت متاثر ہوا اور ان کی حیات کے نقوش ونشانات کے بارے میں جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ سلیمان صابر مرحوم نے ۱۹۹۱ میں جریدہ ترجمان دہلی میں فارقلیط صاحب کی ناتمام خودنوشت شائع کی تھی اور ان کے احوال اور آثار پر کچھ لکھا بھی تھا۔ سب پڑھ ڈالا تسلی کیا ہوتی تشنگی میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ پچھلے دنوں ایک ملاقات کے دوران جماعت اہلحدیث کے ایک معروف صحافی سہیل انجم صاحب نے یہ خبر سنائی (جو میرے لیے خوشخبری تھی) کہ وہ فارقلیط صاحب پر ایک کتاب ترتیب دے رہے ہیں، تو انبساط کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی کہ اب اپنے محبوب صحافی کے بارے میں جلد ہی کچھ اور جاننے کا موقع ملے گا۔ پھر ایک دن معلوم ہوا کہ کتاب چھپ گئی ہے اور جلد ہی مصنف کی مہربانی سے کتاب میرے پاس تھی۔ اس کو پڑھنے کے بعد میں نے جو کچھ محسوس کیا اب اس کو آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔

انجم گذشتہ زائد از دو دہائی سے اردو صحافت سے وابستہ ہیں اور یہ وابستگی بھرپور اور نتیجہ خیز رہی ہے۔ ان کا تعلق پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ ریڈیو جرنلزم سے بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے مختلف موضوعات پر کچھ کم درجن بھر کتابیں بھی لکھی ہیں جو ان کے علمی کمٹمنٹ کی دلیل ہیں۔ انھوں نے اردو میڈیا کے حوالے سے جتنا اور جیسا لکھا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ''میڈیا، روپ اور بہروپ'' ''میڈیا، اردو اور جدید رجحانات'' ''مغربی میڈیا اور مسلمان'' اور ''احوال صحافت'' جیسی کتابوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سہیل انجم کو اردو کے ساتھ ساتھ مجموعی طور پر میڈیا کے میدان میں ہو رہی تبدیلیوں کا کتنا ادراک ہے۔ اول الذکر دونوں کتابیں مختلف یونیورٹیوں میں صحافت کے کورس میں معاون کتب کے طور پر شامل ہیں۔ ان کی کتابوں میں میڈیا تنقید بھی ہے اور تاریخ بھی، اور اس کا ایک اہم پہلو اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے میڈیا کے رویے کا بھی ہے۔ اس نازک موضوع پر بھی انھوں نے خوب لکھا ہے اور کمال کی بات یہ ہے کہ توازن کا دامن تھامے رکھا ہے۔ انگریزی اور ہندی میڈیا کے ایک طبقے کی جانب سے فرقہ پرستی، دہشت گردی اور کچھ مسلم مرتکز مسائل پر جس انداز سے رپورٹنگ ہو رہی ہے، اس کا سہیل انجم نے کافی نوٹس لیا ہے اور اس باب میں ان کی تحریریں حوالے کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح اردو صحافت سے وابستہ ہونے کے باوجود انھوں نے اس کے کمزور پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنے میں کسی قسم کی مداہنت یا تذبذب سے کام نہیں لیا ہے۔ ایسے اخبار، افکار اور افراد پر بھی لکھا جن پر قلم اٹھانے میں بہتوں کو سنکوچ ہوتا ہے۔ انھوں نے ان اندھیروں کی نشان دہی کی ہے جو اردو صحافت کے اجالے کو ڈس رہے ہیں۔

سہیل انجم کی شخصیت کی طرح ان کی تحریروں میں بھی سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ وہ بھاری بھرکم اصطلاحات اور جارگن کا استعمال کر کے تحریر کو پیچیدہ اور قاری کو مرعوب کرنا نہیں جانتے بلکہ صراحت، صداقت اور سلیقے سے بات کہنے پر یقین رکھتے ہیں۔ میڈیا کے حوالے سے انھوں نے جتنا لکھا ہے اس پر ایک مضمون میں بحث نہیں کی جاسکتی اس لیے یہاں پر صرف ان کی کتاب ''مولانا محمد عثمان فارقلیط: حیات وخدمات'' (سال اشاعت ۲۰۱۲) کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے۔

مصنف نے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پیش لفظ اردو کے معروف استاذ، اسکالر اور دہلی یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے سابق صدر پروفیسر عبدالحق نے لکھا ہے۔ ''مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے'' کے عنوان سے سہیل انجم کا ایک فکر انگیز مقالہ ہے جس میں فارقلیط صاحب کے کام اور کارناموں کا تعارف ہے اور ان کی صحافتی خدمات پر بھرپور تبصرہ ہے۔ انھوں نے فارقلیط صاحب کے اداریوں اور مضامین کا گہرائی سے مطالعہ کر کے ان میں موجود مسائل وموضوعات کو ''مسلمانوں کی شیرازہ بندی''، ''مولانا فارقلیط اور قومی یک جہتی''، مسلمانوں کی سنسکرت خدمات'' اور ''اتحاد اور تنظیم کی ضرورت'' وغیرہ کے ذیلی عناوین سے پیش کیا ہے۔

پہلے باب میں مولانا فارقلیط کی ناتمام خودنوشت ہے جو انھوں نے ۱۹۷۳ میں الجمعیۃ سے سبک دوش ہونے کے بعد لکھنا شروع کیا تھا۔ کہنے کو تو یہ آپ بیتی ہے لیکن جدید ہندستان میں مسلمانوں کے حوالے سے بہت سے مخفی گوشوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ ویسے بھی فارقلیط صاحب کا لوح وقلم سے جس قسم کا تعلق تھا ان کی تحریر ذاتی داستان تک محدود رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ خاندان، تعلیم، مناظرہ اور صحافت کی ذاتی کہانیوں کے پس منظر میں اس وقت کی تاریخ جس انداز سے اس نامکمل خودنوشت میں سمٹ آئی ہے، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بس ایک کسک ہے کہ اگر کتابِ زندگی کے اورق ابھی تمام نہ ہوئے ہوتے اور انھیں اپنی خودنوشت مکمل کرنے کا موقع مل گیا ہوتا تو کتنا بہتر ہوتا۔ فارقلیط صاحب نے دین کی تبلیغ اور قادیانیت کے افکار کے بارے میں جو نپی تلی رائے پیش کی ہے وہ سب کے لیے قابل توجہ تو ہے ہی، اسلامی دعوت کے مقدس کاز سے وابستہ مردان کار کے لیے خاص طور پر بڑے کام کی چیز ہے۔

دوسرے باب میں سہیل انجم نے فارقلیط صاحب کی شخصیت اور صحافت کے بارے میں ڈیڑھ درجن قدیم وجدید اہل قلم کی نگارشات کو جمع کر دیا ہے جو مختلف مقامات پر بکھری ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کچھ نئے لوگوں سے لکھوایا بھی ہے۔ دونوں کام مشکل، صبر آزما اور وقت طلب ہیں لیکن سہیل انجم کے اخلاص اور طلب صادق کی وجہ سے کام آسان ہو گیا ہے۔ قدما میں عبدالماجد دریابادی، نثار احمد فاروقی، ضیاء الحسن فاروقی، امداد صابری اور اخلاق حسین قاسمی کی نگارشات تو اس قبیل سے ہوتی ہیں کہ ''لوگ چن لیں جن کی تحریریں حوالوں کے لیے'' سو وہ سب یہاں پر موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بھی وہ لوگ ہیں جن میں زیادہ تر افراد کی تحریروں میں کام کی باتیں ہیں جو فارقلیط صاحب کی شخصیت اور مشن کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ان میں پروفیسر اختر الواسع، محمد فیروز دہلوی، مولانا اسعد اعظمی، محمد عارف اقبال اور اے یو آصف قابل ذکر ہیں۔ اس باب میں چار اداریے بھی شامل ہیں جو فارقلیط کی وفات پر اور کچھ وفات کے ایک سال بعد لکھے گئے تھے جن میں الجمعیۃ کے دو

اداریے،قومی آواز لکھنؤ اورالحمرا بھوپال کے ایک ایک اداریے شامل ہیں۔

تیسرے باب میں فارقلیط صاحب کے مضامین اوراداریوں کا انتخاب بلکہ حسن انتخاب ہے۔اس میں الجمعیۃ جوائن کرنے کے بعدان کا پہلا اداریہ شامل ہےاورآخری اداریہ بھی ہے۔یہ دونوں اداریےان کے صحافتی مزاج،ترجیحات اورمشن کوسمجھنے میں مدددیتے ہیں۔مضامین میں تنوع ہےملت کے مسائل پر لکھتے وقت وہ کس طرح موقع محل سے ہر پہلو پرتوجہ دیتے تھےاس کتاب سے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے۔کتاب میں شامل فارقلیط صاحب کے منتخب مضامین کے عناوین ملاحظہ فرمائیں جن کوسہیل انجم نے شبانہ روز کی محنتوں کے بعدجمع کیا ہے:

اب کوئی مصلح اورلیڈر کیوں نہیں پیدا ہوتا؟مسلم نوجوانوں کا تعارف،اچھے نوجوانوں کے اچھے کام،مسلم نوجوانوں کی افرادی قوت،کچھ کوتاہیاں کچھ خامیاں،سائنس اورٹکنالوجی کی تعلیم اورمسلمان،عروج آدم اورزوال آدم کا معیار،مسلمان کیا نہیں کرسکتے،ہم کیا سمجھے اور بات ہے کیا،مسلمانوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا،نمازی بھی اور ایک دوسرے کے مخالف بھی، استقلال یافرار،ایک بنیادی کام اب تک کیوں نہیں ہوا،اندھی تقلید سے بچیئے،توہمات کے انبار،مسلم خواتین کی بےخبری، غفلت اورسہل انگاری،صدرجمہوریہ اوراسلامی روایات،اقلیت ہونا خدا کی رحمت ہے،ایک انقلابی اسکیم،آپس میں بات چیت کے آداب،نفسیات بڑا کام دیتی ہے،یہ ہمارے حاجی صاحبان،ایک عرب سیاح نے کیا دیکھا؟،ایمان اورمحبت،مسلم سوسائٹی کے لیےایک نئی شاہراہ وغیرہ۔

ان عناوین پرایک طائرانہ نظر ہی اس بات کی گواہی دے دیتی ہے کہ ان تحریروں کے خالق کا ذہنی افق کافی وسیع تھا اوراس کوملت کے مسائل کا بھرپورادراک تھا۔سہیل انجم کا انتخاب بھی قابل داد ہے۔لیکن ان مضامین کے بارے میں یہ درج نہیں ہے کہ کب اورکہاں شائع ہوئےلیکن اغلب گمان ہے کہ وہ الجمعیۃ ہی میں شائع ہوئے ہوں گے۔اگراس کے ساتھ سنہ طباعت بھی درج ہوتا تو بہتر ہوتا جیسا کہ اداریوں کے ساتھ اس کا التزام کیا گیا ہے۔

اسی تسلسل میں 1973 میں لکھنؤ میں منعقد ہونے والی آل انڈیا اردو کانفرنس میں مولانا فارقلیط کا پڑھا ہوا صدارتی خطبہ بھی شامل ہے جوصحافت کے اسرارورموز،جدید تقاضوں سے صحافت کے ہم آہنگ ہونے کی ضرورت اورایسے ہی دیگر مسائل سے بحث کرتا ہے۔انھوں نے اس خطبہ میں اس بات پرزوردیا ہے کہ دوسری زبانوں کی صحافت کے ساتھ آپ جو چاہیں سلوک کریں لیکن اردوصحافت ایک مشن کے طورپرشروع ہوئی تھی لہٰذااسے مشن ہی رہنے دیں۔اس کانفرنس میں سابق وزیراعظم اندراگاندھی اورمولاناابوالحسن علی ندوی بھی شریک ہوئے تھے۔

فارقلیط صاحب کی تحریروں کو پڑھتے وقت ذرااس ماحول اورمنظرنامے کوذہن میں رکھیں۔تقسیم ہند کا کاری زخم تازہ تھا۔آتش وآہن اوردودوشرر کا سماں ذراساتھما تھالیکن فرقہ پرستی،تعصب اورنفرت کا عفریت منہ کھولے کھڑا تھا۔ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوتا ہے کہ ہزیمت اورشکست خوردگی کے دبیز کہرے میں ملفوف ماحول میں لکھی گئی ان تحریروں میں کتنا توازن ہےاورزندگی کی کیسی للک ہے۔اس اعصاب شکن ماحول میں خود پرقابورکھنا بڑی بات تھی،کجااپنوں کوہمت بندھانااوران سے بدلتے ہندستان کی صورت گری میں تعاون کی تلقین کرنا۔یہ کام یقیناً بہت مشکل تھا۔قدم قدم پررکاوٹیں تھیں،اغیار کے طعنے

تھے اور اپنوں کے تحفظات تھے۔اس کے باوجود انھوں نے خانماں برباد ملت کے زخموں پر مرہم رکھا،خوف کی نفسیات اور بے یقینی کے دھند کو ختم کرنے کوشش کی اور احساس کمتری کو تیاگ کر نئے ہندستان کی تعمیر میں تعاون کرنے کی اپیل کی۔اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر ہورہے حملوں کا جواب بھی دیا اور ان کی وطن دوستی کو مشکوک قرار دینے والوں کی بھی خبر لی جو بڑا مشکل کام تھا لیکن فارقلیط صاحب نے یہ سب کچھ کیا۔

پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں لکھی گئی تحریریں آج بھی ملت بیضا کے جذبات اور حالات کی کتنی اچھی ترجمانی کرتی ہیں۔ آزاد ہندستان میں فسادات،اردو،تعلیم،تحفظ،امتیازی سلوک کے ساتھ قومی یکجہتی اور تعمیر وطن کے حوالے سے اتحاد کی اہمیت جیسے مسائل پر ان کے اداریے بڑے بے باک ہوا کرتے تھے۔ان کی باتوں میں توازن کے ساتھ منطقی ترتیب ہوتی تھی جس میں اخبار کے عوام اور خواص دونوں قسم کے قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان ہوا کرتا تھا۔ان کے تجزیے میں گہرائی تھی۔وہ مسلمانوں کی نفسیات سے آگاہ تھے،حکومت وقت کی پالیسی اور پروگرام پر ان کی نظر تھی جس نے ان کی تحریروں کو ابدیت عطا کردی ہے۔ سہیل انجم مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ان جواہر پاروں کو کرم خوردہ کاغذات کے انبار سے نکال کر دوبارہ روشنی دکھائی ہے اور نئی نسل کو ایک موقع فراہم کیا ہے سیکھنے کا اور بیاباں کی شب تاریک میں ہمت وحوصلہ نہ ہارنے کا۔۱۹۴۷ میں الجمعیۃ کا ایڈیٹر بننے کے بعد پہلے اداریہ میں لکھتے ہیں جو ۲۵/دسمبر ۱۹۴۷ کو شائع ہوا تھا۔اس کا اقتباس پیش کررہا ہوں:

''اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر خوف وہراس،دہشت اور سراسیمگی چھائی ہوئی ہے۔معمولی خوف وہراس نہیں بلکہ وہ خوف وہراس جس کی لپیٹ میں ان کا مستقبل آچکا ہے اور جو وراثتاً ان کی نسلوں میں منتقل ہوتا رہے گا۔وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر سکون وطمانیت کا مرہم رکھا جائے اور انھیں خوف وہراس سے نجات دلائی جائے۔جو مسلمان دنیا کو طمانیت کا پیغام دینے آیا تھا خود اس کا اس میں مبتلا ہوجانا اسلامی نفسیات کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔''(ص:۲۲۰)۔

اس کتاب میں شامل اے یو آصف کے مضمون میں ''معارف کے مولانا سعید احمد اکبرآبادی''(ص:۱۱۹) چھپ گیا ہے۔مولانا اکبرآبادی ''برہان'' کے ایڈیٹر تھے۔اسی صفحے پر مجلّہ اہلحدیث کے حوالے سے دو ناموں کا ذکر ہوا ہے۔''مولانا تقریض احمد سہسوانی،مولانا عبدالوہاب حجازی۔'' صحیح املا ''تقریظ'' ہے اور مولانا حجازی کا تعلق کبھی بھی مجلّہ اہلحدیث سے نہیں رہا،وہ جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ ہیں اور ماہنامہ محدث کے ایڈیٹر ہیں۔ایک جگہ ''ایک اومبا کے قتل پر سینہ کوبی اور ماتم سرائی ہورہی ہے''(ص:۲۳۵) چھپ گیا ہے جو لومبا ہونا چاہیے۔پیٹرک لومبا کانگو کا مشہور سیاستداں اور تحریک آزادی کا رہنما تھا جس کو استعماری طاقتوں نے قتل کرادیا تھا۔اس کے قتل کا ہندستان میں بھی کافی چرچا تھا اور نہرو نے اس کے قتل پر کہا تھا ''ایک مقتول لومبا زندہ لومبا سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے''۔

بہرحال سہیل انجم کی یہ کتاب فارقلیط شناسی کی ایک اہم اور اچھی کوشش ہے۔امید ہے کہ اردو قارئین اس کتاب کے ساتھ انصاف کریں گے اور روایتی بے نیازی کا ثبوت نہیں دیں گے۔کتاب کی قیمت 150 روپے ہے اور اسے سہیل انجم، 370/6A ذاکر نگر نئی دہلی 110025 اور ادارہ بک ریویو پٹودی ہاؤس 1739/3 نزد کوہ نور ہوٹل دریا گنج دہلی 110002 سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

اسلامی احکام میں سہولت ورعایت کے چند نمونے

ضمیر أحمد خان شفیق أحمد خان رف۳

ہمارا اسلام آسان دین ہے، مشکلوں ومشقتوں والا دین نہیں، اس کے احکام ایسے ہیں جو حالات سے مطابقت رکھتے ہیں، مصلحت کی رعایت کرنے والے اور مشقت سے بچانے والے ہیں۔ اللہ رب العالمین کا ارادہ بندوں کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں، وہ جانتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کو کون کون سی چیز فائدہ پہونچائے گی اور کون کون سی چیز اسے شدید نقصانات سے دوچار کرے گی۔ اللہ رب العالمین نے یہ باتیں قرآن کریم میں اوامر ونواہی کی صورت میں بتلا دی، عقلمند وہی ہے جو ان پر ایمان لائے اور اپنی عملی زندگی میں ان کو اختیار کرے۔

اسلام ایک آسان دین ہے، اسلام کے احکام مصلحت سے قریب تر ہیں، اور اللہ تعالی کا ارادہ بھی بندوں کے ساتھ آسانی کا ہے، اللہ رب العالمین کا فرمان: ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۱) اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ فقہی مسائل میں اس آسانی کی بہت ساری مثالیں ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- موزوں اور جرابوں پر مسح کی رخصت:

جب کسی مسلمان نے وضو کے اعضاء پر ایسی چیز پہنی یا باندھی ہو جس کی اسے شدید ضرورت ہو اور اس کے اتارنے میں مشقت ہو، مثلاً پاؤں کی حفاظت کے لیے موزے یا جرابیں، سر کی حفاظت کے لیے پگڑی یا کسی زخم کی حفاظت کے لیے پٹی باندھی ہو تو ایسی حالت میں شارع نے اسے وہ چیز اتار کر عضو کو دھونے کی زحمت نہیں دی ہے، بلکہ اسے اس پر مسح کرنے کی رخصت دی ہے، جو اللہ تعالی کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے رعایت اور مشقت سے بچاؤ ہے۔ موزوں پر مسح کی احادیث بہت سارے صحابہ کرام سے منقول ہیں۔ (۲) موزوں پر مسح کا حکم رخصت پر مبنی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "للمسافر ثلاثة أيام ولياليهن وللمقيم يوم وليلة" (۳) مسافر کے لیے مدت مسح تین دن اور ان کی راتیں ہیں جب کہ مقیم کے لیے ایک دن اور رات ہے۔

۲- تیمّم کی رخصت:

کبھی ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ پانی حقیقتاً میسر نہیں ہوتا یا پانی موجود تو ہوتا ہے لیکن شرعی عذر کی وجہ سے اس کا

(۱) سورہ بقرہ: ۱۸۵۔

(۲) شرح مسلم للنووی: ۲۱۰/۳۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، حدیث نمبر: ۲۷۶۔

استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی صورت میں مشقت سے بچنے کا طریقہ اسلام نے تیمّم کی صورت میں سکھایا، تیمّم قرآن مجید اور سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ یہ بھی ہم پر احسان اور آسانی کی ایک مثال ہے۔

۳-جماعت سے پیچھے رہنے والوں کا حکم:

کوئی شخص کسی مرض یا خوف کی وجہ سے معذور ہو بغیر عذر کے ترک جماعت اس کی عادت نہ ہو، ایسے شخص کو جماعت میں شرکت کیے بغیر اس کے عذر کی وجہ سے نماز با جماعت کا ثواب مل جاتا ہے، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے: "إذا مرض العبد أو سافر كتب له مثل ما كان يعمل مقيما صحيحا" (۱) جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں ہو تو جو اعمال تندرستی اور اقامت کی حالت میں کرتا تھا وہ سارے اعمال اس کے اعمال نامہ میں درج کردیے جاتے ہیں۔ اسی طرح کسی شخص کا با جماعت نماز ادا کرنے کا پختہ ارادہ تھا، لیکن کوئی شرعی عذر حائل ہوگیا تو اسے بھی وہ پورا اجر حاصل ہوجائے گا۔

۴-معذور افراد کی نماز:

معذور افراد بیمار، مسافر اور وہ شخص جسے دشمن کا خوف لاحق ہو وہ غیر معذور کی طرح صحیح طور نماز ادا نہ کرسکتا ہو شارع نے ایسے افراد کو خصوصی رعایت دی ہے کہ وہ حسب استطاعت نماز ادا کریں یہ شریعت کی طرف سے ان کے لیے آسانی ہے اور سہولت ہے تاکہ انہیں تنگی اور تکلیف نہ ہو، "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (۲) اسی طرح فرمان نبوی ﷺ: "إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم" (۳) اس سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے مصالح کی رعایت کی ہے۔ بعض حضرات بیماری یا آپریشن کی وجہ سے نماز چھوڑ دیتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ مکمل طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ نماز چھوڑنا قطعاً جائز نہیں۔ وہ حسب حال جیسے بھی ممکن ہو نماز ادا کرلیں، جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہیں۔

۵-زکوۃ کی ادائیگی کا حکم:

زکوۃ کی فرضیت اور اس کی ادائیگی بھی درحقیقت کئی لحاظ سے رعایتوں پر مبنی ہے، مال میں صرف ڈھائی فیصد زکوۃ فرض کرنا اور اس کے لیے نصاب اور حولان حول کی شرط یہ سب رعایت کے ہی پہلو ہیں، مزید یہ کہ زکوۃ معاشرہ کے کمزور افراد کے ساتھ حسن سلوک کا ذریعہ ہے، یہ نیکی کا کام ہے، مال کو میل کچیل سے پاک کرنے اور اسے آفات سے بچانے کا سبب ہے، انسانی نفوس زکوۃ نکالنے کی وجہ سے کنجوسی وبخل سے پاک ہوجاتے ہیں۔

۶-صدقۂ فطر میں حکمت:

بشری کمزوریوں کی وجہ سے روزے دار کے روزوں میں واقع ہونے والی گناہوں اور لغویات کے آثار صدقہ فطر سے

(۱) رواہ البخاری فی کتاب الجہاد والسیر، باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الاقامۃ ح: ۲۹۹۶۔

(۲) سورہ تغابن: ۱۶۔

(۳) رواہ مسلم فی کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، حدیث: ۱۳۳۲۔

ختم ہوجاتے ہیں اور روزے دار پاک وصاف ہوجاتا ہے، نیز مساکین کے کھانے کا بندوبست ہوجاتا ہے اور روزوں کی تکمیل پراللہ کا شکر ہوجاتا ہے۔

۷-روزوں میں حکمت ومصلحت:

روزہ کے ذریعہ نفس انسانی کوردی خیالات اور رذیل اخلاق سے پاک کیا جاتا ہے اور وہ تقوی کی صفت سے متصف ہوجاتا ہے، اگر چہ روزہ ہر مکلّف پر فرض ہے، مگراس فریضہ سے عاجز، مریض اور مسافر کو عجز وسفر کی حالت میں رخصت دی گئی ہے، اسی طرح حیض ونفاس والی عورتوں کے لیے بھی رخصت ہے مگر جب عارضی حالت ختم ہوجائے تو جانے والے روزوں کی قضا کی جائے گی، ان کے حالات کی رعایت کرتے ہوئے انہیں یہ رخصت دی گئی ہے۔

۸-شفعہ کے احکام:

اللہ تعالی نے شفعہ کے ذریعہ فساد ونقصان کا وہ دروازہ بند کیا ہے جو شراکت سے تعلق رکھتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بندوں کی مصلحتوں کے بارے میں اسلامی شریعت کی خوبیوں اور اس کے عدل وانصاف پر مبنی قوانین میں سے ایک چیز شفعہ بھی ہے۔ شارع علیہ السلام کے احکامات کی حکمت کا تقاضا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مکلفین شرع کا نقصان نہ ہو، جب کہ شراکت عموماً نقصان ہی کا باعث بنتی ہے۔ شریعت نے اس نقصان کو کبھی تقسیم سے اور کبھی مشفع سے ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور واضح کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مشترک چیز میں سے اپنا حصہ فروخت کرکے قیمت لینا چاہتا ہے تو اجنبی شخص کی نسبت اس کا شریک وہ حصہ خریدنے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس طرح وہ اپنے شریک کو ضرر سے بچا سکتا ہے۔ اس میں بائع کا نقصان نہیں، کیونکہ وہ اپنا حق قیمت کی شکل میں وصول کررہا ہے۔ شفعہ عدل وانصاف کی عظیم اور بہترین شکل ہے، انسانی عقل وفطرت کے عین مطابق ہے اور بندوں کی مصلحتوں کے موافق ہے۔(۱)

۹-قذف کا بیان:

اللہ رب العالمین نے زنا کو ایک قبیح فعل قرار دیا اور کسی شخص پر زنا کا الزام لگانا یہ اس سے بھی قبیح اور شنیع فعل ہے، اور ایسا کرنے والوں پر حد قذف (تہمت) نافذ کرنے کا حکم دیا کہ اسے اسی کوڑے لگائے جائیں، یہ اس لیے کہ کوئی شخص کسی پاکدامن عورت یا مرد پر زنا کا الزام نہ لگائے اور عزت محفوظ رہے۔

۱۰-قتل کے احکام:

کسی شخص کو بدنی طور پر نقصان پہنچایا جائے یا ناحق قتل کیا جائے یہ حرام فعل ہے، اس پر اسلام نے قصاص کا حکم نافذ کیا

(۱) اعلام الموقعین عن رب العالمین: ۲/۱۲۳۔

ہے، اللہ رب العالمین کا فرمان: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (۱) عقلمندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ اس باعث تم قتل ناحق سے رکو گے۔ اس طرح اسلام نے زنا، قذف، شراب پینے، چوری اور رہزنی ان تمام چیزوں پر حد نافذ کی مصلحت یہ ہے کہ دوسرے لوگ ایسا کام کرنے سے گریز کریں۔ اللہ تعالی چاہتا ہے کہ اس روئے زمین پر بسنے والے اپنے مصالح اور منافع کی حفاظت، اموال میں اضافے اور ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی، نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کریں تا کہ لوگ امن وسکون سے زندگی گذاریں۔ اس لیے جو شخص اس راہ میں مشکلیں پیدا کرتا ہے، خوف وہراس پھیلاتا ہے تو ایسے شخص کو روکنے کے لیے اللہ تعالی نے سخت سزا مقرر کی ہے۔

اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُواْ أَوْ يُصَلَّبُواْ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلافٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ الأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (۱) ان کی سزا جو اللہ تعالی سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، اس میں مصلحت یہ ہے کہ لوگوں کے جان ومال محفوظ رہیں اور ان کی عزت وآبرو پر ڈاکے نہ ڈالے جائیں۔

۱۱- کھانے کے احکام:

اچھی اور پاک غذا انسان پر اچھے اثرات چھوڑتی ہے، حرام غذا سے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے مومن بندوں کو پاک صاف اشیاء کھانے کا حکم دیا اور خبائث، حرام اشیاء سے منع کیا ہے۔

۱۲- شکار کے احکام:

اگر شکار انسان کی ضرورت کے پیش نظر ہو تو بلا کراہت جائز ہے اور اور اگر ضرورت کے بجائے محض کھیل اور شغل کی خاطر ہو تو مکروہ ہے، اگر شکار کے سبب لوگوں کے کھیتوں فصلوں اور اموال کا نقصان ہو تو حرام ہے۔

یہ تمام فقہی مسائل ہیں جن میں حالات کی رعایت کی گئی ہے، بندوں پر تخفیف، آسانی اور انہیں مشقت سے بچانے کے لیے، اور ان سے اس بات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ دین فطرت اور انسانی ضرورت کے عین مطابق ہے۔

☆☆☆

(۱) بقرہ:۱۷۹۔

اسلامی دعوت کے فروغ میں
ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کردار

عبدالواحد محمد لقمان سلفی
پاکوڑ، جھارکھنڈ

نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امت کی عورتوں کے لیے ایک نمونہ ہیں، انہوں نے امت کے لیے وہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے جس کو رہتی دنیا تک عورتیں اپنا کر ایک مثالی خاتون بن سکتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جو فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں وہ ان کو ایک عظیم مقام اور امتیازی حیثیت عطا کرتے ہیں۔ ان سے محبت اور ان کا دل سے احترام ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

نام ونسب:

آپ کا نام عائشہ، لقب صدیقہ اور حمیرہ، کنیت ام عبداللہ ہے۔ نسب نامہ اس طرح ہے: عائشہ بنت ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۳۵)

ولادت:

ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ کی تاریخ ولادت کی تحدید کے سلسلہ میں اکثر اہل سیر خاموش نظر آتے ہیں، ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، لیکن ان کی ولادت بعثت کے پانچویں سال کے آغاز میں ارجح معلوم ہوتی ہے۔ (سیرت عائشہ از سید سلیمان ندوی ص ۱۸)

اخلاق وکردار:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت سخی اور فیاض تھیں، ایک دن روزے سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے اور کچھ نہ تھا، اتنے میں ایک مسکین عورت آئی اور اس نے سوال کیا، خادمہ کو حکم دیا کہ جو روٹی گھر میں پڑی ہے، اسے کھلا دو، اس نے عرض کیا، آپ روزہ کس چیز سے افطار کریں گے؟ فرمایا: اللہ تعالی مالک ہے، شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا، لونڈی کو بلا کر کہنے لگیں لو کھاؤ، یہ تیری روٹی سے بہتر ہے، اسی طرح آپ مریضوں، بیکسوں اور بوڑھوں پر بہت سخی اور فیاض تھیں، آپ شرافت و پاکدامنی، نیک عادت واطوار، پاکباز عفت وعصمت اور خوش اخلاقی میں بہت مشہور تھیں۔

بیت ابوبکر کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اسلام کے دور اول ہی میں نور اسلام سے منور ہو گیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان خوش بخت خواتین میں سے ہیں جن کی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی اور ابتداء ہی سے ان کے کان کفر وشرک کی آواز سے نا آشنا رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح:

یوں تو اہل سیر وتاریخ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ زواج کی تعیین میں اختلاف ہے، لیکن جمہور محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ اور روایات کا بڑا مستند حصہ اسی کا مؤید ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبوت کے دس سال بعد ہجرت سے تقریباً تین برس پہلے رمضان المبارک میں ہوئی، اور ایک ماہ بعد شوال میں نبی ﷺ سے حضرت عائشہ کا نکاح پانچ درہم کے عوض ہوا، اس وقت ان کی عمر چھ سال اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی دونوں تقریباً شوال کے مہینے میں ہوئیں، اس سے پہلے عرب شوال کے مہینے میں نکاح اور رخصتی کو فال نیک نہ سمجھتے تھے، اور اس مہینے کو منحوس قرار دیتے تھے، کیونکہ کسی زمانے میں اس مہینے میں سخت طاعون پھیلا تھا، اس نکاح نے عربوں کی اس اوہام پرستی اور بدعقیدگی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

دعوتی میدان میں حضرت عائشہ کا کردار:

سیر اور احادیث کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ میدان جنگ میں خواتین اسلام کے کارنامے بھی رہتی دنیا تک یاد رہیں گے، ان میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو ذہانت وفطانت اور حاضر جوابی میں بہت مشہور تھیں، ان کا نام سرفہرست ہے، آپ نبی ﷺ کے ساتھ مختلف غزوات میں شریک رہیں اور مشک بھر بھر کر پانی لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ولقد رأيت عائشة بنت أبي بكر وأم سليم انهما لمشمرتان يُرى خدم سوقهما تنقزان القرب على متونهما تفرغانه في أفواه القوم ثم ترجعان فتملآنها ثم تجيئان فتفرغانه في أفواه القوم"۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد)

اور میں نے دیکھا کہ جنگ میں حضرت عائشہ بنت ابوبکر اور ام سلیم اپنے کپڑے اٹھائے ہوئے ہیں، ان کی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں، اور مشکیزے اپنی پیٹھوں پر لیے دوڑ رہی ہیں اور اس کا پانی زخمی مسلمانوں کو پلا رہی ہیں۔ (پھر پانی ختم ہو جاتا ہے) تو واپس آتی ہیں اور مشک بھر کر پھر لے جاتی ہیں اور مسلمانوں کو پلاتی ہیں۔ (ترجمہ داؤد راز)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے قریش میں علم وفضل میں ممتاز، علم الانساب اور اشعار کے ماہر تھے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کی آغوش میں تربیت پائی اور علم الانساب اور شاعری کا شوق وذوق ان کا خاندانی ورثہ تھا، عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں: "كانت عائشة أفقه الناس وأعلم الناس وأحسن الناس" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ جانکار اور سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں، اور موسی بن طلحہ کہتے ہیں: "ما رأيت أحدا أفصح من عائشة" (سنن ترمذی بسند صحیح، رقم: ۳۸۹۳) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ علمی بصیرت اور فقاہت کے اونچے درجے پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان بھی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ کرام ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بعض نہایت مشکل اور پیچیدہ مسائل دریافت کرتے، حضرت ابوموسی اشعری فرماتے ہیں: ہم اصحاب محمد ﷺ کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی جس کا حل ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا ہو اور ہمیں اس کے بارے میں معلومات نہ حاصل ہوئی ہو۔ ہم نے جب بھی کبھی کسی عقدہ کشائی کے لیے ان کے باب عالی پر دستک دی، ہمیں ذہنی تسکین اور قلبی تسلی حاصل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحابیات میں سے سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والی ہیں، ان کا شمار مکثرین رواۃ صحابہ میں سے ہیں، ان کی مرویات کی کل تعداد (۲۲۱۰) ہے۔ (تدریب الراوی ۲/۶۷۷) ان میں سے (۲۸۶) حدیثیں بخاری و مسلم میں موجود ہیں، مرویات کی کثرت کے لحاظ سے صحابہ کرام میں ان کا چھٹا نمبر ہے۔ (خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ ص ۱۷) مرویات کی کثرت کے ساتھ احادیث سے استدلال اور استنباط مسائل، ان کے علل و اسباب کی تلاش و تحقیق میں بھی ان کو خاص امتیاز حاصل تھا، اور ان کی اس صفت میں بہت کم صحابہ ان کے شریک تھے، کتب حدیث میں بکثرت اس کی مثال موجود ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے، ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور فرمایا: نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرے گا اسی میں اٹھایا جائے گا، حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا: اللہ تعالی ابوسعید پر رحم فرمائے، لباس سے نبی ﷺ کی مراد اعمال ہیں، یعنی جس طرح کے اعمال کوئی شخص دنیا میں کرتا ہے، اسی طرح کے اعمال لے کر وہ قیامت کے روز قبر سے اٹھے گا، لباس سے وہ کپڑے مراد نہیں ہیں جو ہم دنیا میں پہنتے ہیں، صحیح بخاری میں ابووائل سے منقول ہے: "لما بعث علي عمارا والحسن إلى الكوفة يستنصرهم خطب عمار فقال: إني لأعلم انها زوجته في الدنيا والآخرة، ولكن الله ابتلاكم لتتبعوه أو إياها" (کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشۃ رضی اللہ عنہا)

جب علی رضی اللہ عنہ نے عمار اور حسن رضی اللہ عنہما کو کوفہ بھیجا تھا تاکہ لوگوں کو اپنی مدد کے لیے تیار کریں تو عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: مجھے بھی خوب معلوم ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ کی زوجہ ہیں، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، لیکن اللہ تعالی تمہیں آزمانا چاہتا ہے کہ دیکھے تم علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے ہو یا عائشہ کی۔ (ترجمہ داؤد راز) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں کو بھڑکانے میں آگئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بات پر لڑنے کو مستعد ہوگئیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ پہلے سب

لوگوں کو ایک ہو جانے دو، پھر اچھی طرح دریافت کر کے جس پر قتل ثابت ہوگا اسی سے قصاص لیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ضمن میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما یہ سب مجتہد تھے، ان کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں میں آپس کے اندر اتفاق کر دینا ضروری ہے اور یہ سب اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص نہ لیا جاتا۔

امام زہری جو کبار تابعین میں سے تھے، وہ فرماتے ہیں: "كانت عائشة أعلم الناس يسألها الأكابر من أصحاب رسول الله ﷺ" (تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۲/۴۶۳) یعنی حضرت عائشہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والی تھیں، اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، دوسری جگہ اس طرح رقمطراز ہیں: اگر تمام ازواج مطہرات کا علم بلکہ تمام مسلمان عورتوں کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے اعلی اور افضل ہوگا۔ (تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۶۳، الاستیعاب: ۴/۱۸۸۳)

حضرت عائشہ احادیث نبویہ کی حفاظت واشاعت، ان کی روایت اور درس و تدریس میں کافی حصہ لیا، انہوں نے دینی مسائل میں اتنی مہارت حاصل کی کہ بہت سے کبار صحابہ و تابعین اور صحابیات و تابعیات نے ان سے اکتساب فیض کیا، نیز تابعیات میں سے قابل ذکر عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں، یہ حضرت عائشہ کی خاص تربیت یافتہ اور ان کی احادیث کی امین تھیں، ابن المدینی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی حدیثوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد احادیث عمرہ بنت عبدالرحمٰن، قاسم اور عروہ کی ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف احادیث رسول کی حفاظت، نشر و اشاعت اور درس و تدریس ہی نہیں، بلکہ شروع سے آخر تک وہ دین اسلام کی دعوت میں نبی ﷺ کی مددگار تھیں، ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیتی تھیں، انہوں نے اپنا گھر بار، آرام وعیش، مال واسباب سب چھوڑ کر رسول ﷺ اور اسلام کا ساتھ دیا، گرمی بھوک پیاس اور ظلم و جبر تکالیف سب کچھ اشاعت اسلام کی خاطر برداشت کیا۔ گویا اسلام کے باب میں حضرت عائشہ نبی ﷺ کی مشیر خاص تھیں۔

وفات:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا اخیر زمانہ ہے، ۵۸/ہجری میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں، چند روز علیل رہیں اور منگل کی رات ۱۷/رمضان المبارک ۵۸/ہجری کو ۶۳/سال کی عمر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ وصیت کے مطابق مدینہ کی قبرستان بقیع الغرقد میں جہاں دیگر ازواج مطہرات مدفون ہیں وہیں انہیں دفن کیا گیا۔

☆☆☆

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس
کے
فارغین سے اپیل

جامعہ کے تمام فارغین سے گزارش ہے کہ اپنی معلومات شخصیہ اور اپنی جملہ تصنیفی خدمات جامعہ کے پتہ پر اولین فرصت میں ارسال کریں۔

جامعہ اپنے فارغین کی تاریخ اور ان کی خدمات کا تعارف کتابی شکل میں مرتب کر رہا ہے۔ ان کی تصنیفات کے لیے جامعہ کی لائبریری میں خاص حصہ مختص کیا جارہا ہے۔ اس کام میں تعاون کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔

والسلام

عبداللہ سعود سلفی

ناظم اعلی جامعہ سلفیہ، بنارس

نام مع ولدیت وتخلص:

تاریخ پیدائش:

گھر کا پتہ:

ای میل آئی ڈی:

فون نمبر:

کہاں کہاں تعلیم حاصل کی؟

جامعہ کی تعلیمی مدت اور اسناد:

مشہور اساتذہ وتلامذہ:

علمی صلاحیت (اسناد وڈگریاں):

جامعہ سے فراغت کے بعد کے مراحل:

علمی خدمات (تدریسی، دعوتی، تصنیفی)

جماعتی خدمات:

سماجی خدمات:

موجودہ منصب وپیشہ:

تاریخ: دستخط

جامعہ سلفیہ میں مختلف شعبوں کے ذمہ داران کی ماہانہ جائزہ میٹنگ

بتاریخ ۸/اکتوبر۲۰۱۳ء بروز منگل بعد نماز مغرب دار الضیافہ جامعہ سلفیہ بنارس میں جامعہ کے مختلف شعبوں کے ذمہ داران کی ایک میٹنگ زیر صدارت مولانا عبداللہ سعود صاحب ناظم اعلی جامعہ سلفیہ منعقد ہوئی جس میں تعلیمی وتربیتی امور اوررہائش کے مسائل ومطبخ کے نظم کا جائزہ لیا گیا۔

مختلف شعبوں کے ذمہ داران بالخصوص تعلیمی کمیٹی، داخلہ وامتحان کمیٹی، طلبہ کے نگراں حضرات، مطبخ کے نگراں، دعوت وتبلیغ اورشعبۂ افتاءاورندوۃ الطلبہ کے ثقافتی پروگرام ومکتبہ کے نگراں حضرات شریک ہوئے اورسب نے اپنی کارکردگی پیش کی۔ ناظم صاحب نے کام میں بہتری لانے کے لیے سب سے لگن اورمحنت سے کام کرنے کی درخواست کی تاکہ جامعہ کا تعلیمی وتربیتی معیار بہتر ہواورطلبہ بہتر صلاحیت کے حامل بن کرنکلیں۔مندرجہ ذیل امور پربطورخاص توجہ دینے کی سفارش کی گئی:

۱-اساتذۂ کرام ہرماہ اپنی تعلیمی رپورٹ وقت پرپیش کریں۔

۲-عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے بعد تحریری وتقریری مقابلوں کی تاریخوں کا تعین کرکے اعلان کرایا جائے۔

۳-نماز میں غیر حاضر رہنے والے طلبہ کی تادیب کے لیے طے پایا کہ غیر حاضر ہونے پر طالب علم سے ۵۰ روپئے وصول کیا جائے اوردوسری بار ۱۰۰ روپئے کے ساتھ اس سے عہدنامہ بھی لیا جائے جس کی کاپی اس کی فائل میں اوردوسری اس کے سرپرست کوبھیجی جائے اوراگر طالب علم اس کے بعد بھی غیر حاضر رہے تو اس کے سرپرست کوطلب کیا جائے اوران سے عہدوپیمان لینے کے بعد اسے پڑھنے کا موقع دیا جائے اورسرپرست کے نہ آنے کی صورت میں اس کا اخراج کردیا جائے۔

۴-اگرطالب علم کسی وجہ سے نماز سے غیر حاضر رہا اوراس کے اخلاق کے پیش نظر دواساتذہ سفارش کردیں توان سے پیسہ نہ لیا جائے۔

۵-طلبہ کے جامعہ سے باہرآنے جانے کے نظم کودرست اورچوکس رکھا جائے، ہرطالب علم اجازت لے کرباہر جائے اور اجازت دینے والے اساتذہ کا تعین ہو،اورگیٹ مین سے نظام کی پابندی کرائی جائے،کوئی طالب علم بغیر آئی کارڈ کے جامعہ سے باہر نہ جائے،مغرب کی اذان سے دس منٹ پیشتر کسی کوباہر جانے کی اجازت نہ ہو،بغیر اجازت کسی کوجامعہ کے باہر کوچنگ کی اجازت نہیں ہے۔صرف المنار بوائز اسکول میں کمپیوٹر سیکھنے والے طلبہ کی لسٹ نگراں دارالاقامہ اورگیٹ مین کوفراہم کی جائے۔ مغرب کے بعدآنے والے طلبہ سے گیٹ مین آئی کارڈ لےکرآفس میں جمع کردے تاکہ ان کے بارے میں ضابطے کی کارروائی ہو۔

۶-طلبہ اپنے کمروں کی صفائی کا نیز مطبخ کی صفائی کرنے والے اس کی صفائی پرخاص توجہ دیں۔

۷-مولانا محمد مستقیم سلفی،مولانا عزیز الرحمن سلفی اورشیخ اسعد اعظمی پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۳ء تک مدارس وجامعات کے ماہرین تعلیم کا انتخاب کرے گی اورماہ فروری کے نصف آخر میں تعلیم وتربیت اوردعوتی امور پرغورکرنے کے لیے ان کا جامعہ سلفیہ میں اجتماع منعقد کیا جائے۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کا انتخاب جدید

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کے اندر سال رواں میں ۳۰/شوال ۱۴۳۴ھ مطابق ۷/ستمبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر بعد نماز عشاء جامعہ ہذا کی پرشکوہ مسجد میں شیخ الجامعہ فضیلۃ الشیخ مولانا نعیم الدین صاحب مدنی کے زیر نگرانی اور دیگر اساتذہ کرام کی موجودگی میں ''ندوۃ الطلبہ'' کا انتخاب عمل میں آیا، جس میں درج ذیل طلبہ کو مختلف عہدے کی ذمہ داریاں دی گئیں۔

۱-نسیم اختر عبدالمجید/ف۳	صدر	۲-فہیم احمد شریف احمد/ف۳	نائب صدر
۳-اسعد الرحمٰن جمال الدین/ف۲	ناظم	۴-شبیر احمد عبیدالرحمٰن/ف۲	نائب ناظم
۵-عطاء الرحمٰن حبیب الرحمٰن/ف۲	مدیر	۶-اسامہ فخرالدین/ف۱	نائب مدیر
۷-عبداللہ تمجید عالم/ف۲	امین لجنۃ الثقافۃ	۸-عزیر احمد نورالہدیٰ/ف۱	نائب امین لجنۃ الثقافۃ
۹-عبداللہ شاہد انیس الرحمٰن/ف۲	محاسب	۱۰-صہیب حماد محمود یاسر/ف۲	خازن

انجمن اور دار الاخبار کے لیے معتمدین ومعاونین کا بھی انتخاب عمل میں آیا۔

حلقۃ الخطابہ جامعہ رحمانیہ کا انتخاب جدید

مورخہ یکم ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۷/ستمبر ۲۰۱۳ء بروز سنیچر حلقۃ الخطابہ جامعہ رحمانیہ کا انتخاب جدید قبل نماز ظہر جامعہ سلفیہ کی عالیشان مسجد میں ہوا، یہ انتخاب صدر مجلس فضیلۃ الشیخ مولانا نعیم الدین صاحب مدنی شیخ الجامعۃ السلفیۃ اور دیگر اساتذۂ کرام کی موجودگی میں عمل میں آیا۔ اتفاق رائے سے درج ذیل ذمہ داران منتخب ہوئے اور امسال بھی انجمن کے نگراں مولانا احسان اللہ صاحب سلفی اور مولانا عبدالرحیم ریاضی صاحب منتخب کئے گئے۔

محمد آصف مبارک علی/ ث۲	ناظم
حبیب اللہ عبدالخالق/ ث۱	نائب ناظم (اول)
محمد ثاقب شکیل احمد/ ث۱	نائب ناظم (دوم)
آفتاب احمد شیخ وکیل احمد/ ث۲	أمین المکتبہ
عبدالعلیم مبارک حسین/ ث۲	نائب أمین المکتبہ
حمود سہیل سہیل احمد/ ث۲	مدیر المصباح
محمد سجاد عبدالستار/ ث۲	نائب مدیر المصباح

ان کے علاوہ معاونین اور اراکین کے طور پر بھی بعض طلبہ منتخب کیے گئے۔

☆☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اور مفتی عظام کہ سرکاری ملازم بینک سے لون لے کر حج اور عمرہ کرے اور رقم کی ادائیگی ہر مہینہ کی تنخواہ سے قسط وار جمع کرے تو ایا اس طرح حج اور عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں شریعت اسلامیہ کا کیا موقف ہے؟ امید کہ تسلی بخش جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب:

واضح ہو کہ شریعت اسلامیہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے، سرکاری ملازم یا دیگر افراد کا بینک سے لون لینا اس لیے ناجائز ہے کہ بینک سے لون لینے میں سودی لین دین پر تعاون اور سودی کاروبار کو بڑھاوا دینا ہے جبکہ شریعت نے سود کو حرام کرنے کے ساتھ سود پر تعاون کرنے والے، سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے۔ (مسلم: ۴۰۹۲-۴۰۹۳) اور اسے ماں کے ساتھ زنا سے بدتر گناہ قرار دیا ہے۔ (صحیح الجامع: ۲۵۴۸، ۲۵۶۵)

لہذا جب بینک سے لون لینا درست نہیں ہے تو بینک کے لون سے حج وعمرہ کی ادائیگی بھی درست نہیں ہے۔ اسلامی عبادات کی قبولیت کے لیے حلال کمائی اہم شرط ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا" اللہ تعالی پاک ہے اور پاک ہی قبول کرتا ہے، اللہ تعالی نے جس طرح انبیاء ورسل کو حرام خوری سے اجتناب اور اکل حلال کا حکم دیا ہے اسی طرح عام مسلمانوں کو بھی دیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (المومنون: ۵۱) اے لوگو! پاکیزہ کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں جو کچھ تم عمل کررہے ہو، اسے جانتا ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ (البقرة: ۱۷۲) اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو رزق دیا ہے ان میں سے پاکیزہ رزق کھاؤ۔ اس کے بعد پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی دور دراز سفر کرتا ہے، گردآلود اور پراگندہ حال ہوتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب، اے میرے رب، اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے اور اس کا لباس حرام ہے، اور حرام ہی اس کی غذا ہے۔ ان حالات میں اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (مسلم: ۱۰۱۵/۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خبیث اور حرام کمائی موانع دعا میں سے ہے، جس طرح حج وعمرہ عبادت ہے، اسی طرح دعا بھی عبادت ہے الدعا هو العبادة۔ (صحیح الجامع: ۷۰۶۸) دعا ہی عبادت ہے۔

لہذا بینک سے لون لینا سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور لون لے کر حج وعمرہ کرنا جائز نہیں ہے۔

واضح ہو کہ حج اور عمرہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب اس کے پاس استطاعت ہو۔ قرض لے کر وہ مستطیع کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

هذا ما عندي، والله تعالى أعلم بالصواب
محمد اسلم مبارک پوری
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆